شعبہ
تعمیر و ترقی
دارالعلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۰ مئی ۱۹۶۴ ع

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

★ عمان (شرق اردن) کا ایک اسلامیہ کالج ★

سالانہ چندہ ۵ روپئے

نئے ۲۵ پیسے

Regd No L - 1981
Phone No 22948

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

مکتبہ دارالعلوم کی دوسری مطبوعات

مسئلۂ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی ندوی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء
اس کتاب میں مسئلۂ ختم نبوت کو ٹھوس علمی و تحقیقی انداز میں ثابت کیا گیا اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت اور ضرورت کو خالص علمی و عقلی دلائل سے واضح کیا گیا ہے، ہر صاحب عقل سلیم اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ختم نبوت کا قائل ہوجائیگا، قادیانیت کے طلسم میں گرفتار اور عقیدۂ ختم نبوت میں شک و شبہ کرنیوالے افراد کے حق میں یہ فاضلانہ تصنیف روشنی کا ایک عظیم مینار ہے!
قیمت:- ۲ روپئے ۲۵ نئے پیسے

قصص النبیین للاطفال (عربی)

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی
اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنگئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!
قیمت حصہ اول ۵۰/، حصہ دوم ۷۵/، حصہ سوم ۱/۵

دہلی اور اسکے اطراف

[illegible]

جزیرۃ العرب

[illegible]

تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمٰن

[illegible]

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دارالصحت مئوناتھ بھنجن (یوپی)

Cover Printed at Nadwa Press LUCKNOW.

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جلد ۲ ۱ | ۱۰ مئی ۶۴ء مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ | شمارہ ۱۳

اس شمارے میں

آئین جواں مرداں ... ... اڈیٹر ۱

ایک گمنام اور باکمال ہستی ... ... حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ۳

سید صاحب اور علوم قرآن.. ... ... مولانا محمد اویس نگرامی ندوی ۵

آدم یزداں صفات ... (نظم) ... ... نفقا ابن فیضی ۷

اسلام کی نشأۃ ثانیہ ... ... مولانا محمد تقی امینی ۸

اسلامی جہاد اور اس کی حقیقت ... ... حبیب الرحمٰن ندوی ۹

بادشاہی میں فقیری ... ... سعید الرحمٰن الاعظمی ۱۰

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ ... ... محمد یونس نگرامی ندوی ۱۱

چو مرگ آید تبسم بر لب اوست ... ... تسخیر الحسن صدیقی ندوی ۱۲

طارق بن زیاد فاتح اندلس ... ... محمد منصور خاں بھوپالی ۱۳

سیدنا حسینؓ کے مزار پر ... ... (نظم) ... ... حبیب پالنپوری ۱۴

دیوانہ پن ... ... (نظم) ... ... ابو الاسرار رمزی اٹاوی ۱۴

تیرتا ہوا دار السلطنت ... ... سید ضیاء الحسن ندوی ۱۵

دار العلوم: حالات و واقعات ... . افتخار حسین قدوائی منصرم دار العلوم ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئین جواں مرداں

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

زندگی کی ساری آب و تاب سرفروشی و جاں بازی کی ممنون احسان ہے اگر یہ نہ ہو، تو اس سرد خانہ کو کوئی خارجی چیز گرم نہیں رکھ سکتی۔ سرفروشی و قربانی کا لفظ اگر زندگی کی ڈکشنری سے نکال دیا جائے تو وہ صرف حساب کتاب کا کھاتہ یا بنیا کی دوکان بن کر رہ جائے گی۔ جہاں ہمیشہ سر چھپانے اور پہلو بچانے کو ترجیح دی جائیگی اور مصلحت پرستی اور عافیت طلبی زمانہ کا فیشن اور سکۂ رائج الوقت قرار پائے گا۔

انسانی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس کی عظمت صرف دو ستونوں پر قائم ہے۔ قربانی اور ایثار، جب کبھی دنیا اجڑنے لگی اور اس پر غفلت و جمود، عافیت کوشی اور آرام طلبی کا غلبہ ہوا، قربانی اور ایثار کے شمیم جاں نواز نے اس کو نئی زندگی عطا کی اس کی مرجھائی ہوئی کلیاں، کھلتے ہوئے شگوفے بن گئے۔ سرنگوں، مضمحل اور خزاں رسیدہ پتوں نے ترو تازہ اور شاداب ہو کر اپنا سر بلند کیا، سوئی ہوئی فضا میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی اور دیکھتے دیکھتے زمین و آسمان بدل گئے، موسم تبدیل ہو گیا، مزاج و خواص میں تغیر واقع ہوا، خیالات و افکار متاثر ہوئے، نئے معیاروں نے پرانے معیاروں کی جگہ لی اور یحیی الارض بعد موتہا کا ایسا کھلا ہوا ظہور ہوا کہ کور چشم بھی اس سے انکار نہ کر سکے۔ اور القی السحرۃ سٰجدین قالوا آمنا برب العالمین رب موسیٰ و ھارون کہتے ہوئے قدرت الٰہی کے سامنے سجود ہو گئے۔

بدر و حنین کا معرکہ ہو یا قادسیہ و یرموک کا میدان حطین کی فتح ہو یا واقعہ کربلا سب اسی قربانی کے روشن ابواب اور داستان سرفروشی و خود طلبی کے مختلف پہلو ہیں اور ہماری زندگی کے عزیز ترین ٹکڑے اور ہماری تاریخ کے بیش قیمت حصے ہیں جن پر ہمیں بجا طور پر ناز و مسرت ہونی چاہیے۔

بارہا ایسا ہوا کہ مردوں کی بستی میں ایک زندہ دل نے زندگی کا راز کچھ اس طرح چھیڑا کہ "قم باذن اللہ" کا سماں نظر آیا اور فاذا ھم قیام ینظرون کی تصویر سامنے آگئی۔ بعض وقت "رندان خوش انفاس"[1] کی مسیحا نفسی نے وہ کام کیا جو قدیم صحرا نوردوں اور بادیہ پیماؤں سے بھی نہ ہو سکا۔

کبھی کبھی پوری پوری قوموں کے گرتے ہوئے وقار اور خاک میں ملتی ہوئی عظمت کو کسی ایک شخص کی حق گوئی و بیباکی اور کسی ایک اللہ کے بندے کی قربانی نے اس طرح بچا لیا کہ للہ جنود السماوات والارض کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ ممکن نہ ہو سکی

---

[1] جگر مراد آبادی کا شعر ہے

تو بہت پہلے جہاں پر تھا وہیں آج بھی ہے ٭ دیکھ رندان خوش انفاس کہاں تک پہنچے

کسی قوم کی عظمت و کمال کا معیار اور اس کے زوال و ترقی کا پیمانہ اس میں ایسے حق گو، حوصلہ مند بے باک اور بلند ہمت افراد کا وجود ہے جو اپنے نصب العین اور اصول کے لئے بڑی سے بڑی اور طویل سے طویل قربانی کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور کوئی طاقت ان کو اس راستہ سے منحرف نہ کر سکتی ہو، جو خوشی اور غم اور آرام و تکلیف میں اپنی قوم کے ساتھ شریک اور اس کی ہر کیفیت میں حصہ دار ہوں، جن کو نہ رشوت دی جا سکے نہ بہلایا پھسلایا جا سکے، جن کا کردار ان کی حق پسندی اور حق گوئی کی ضمانت اور جن کا خلوص شبہ سے بالاتر ہو، جو یہ قربانیاں صرف اقتدار کی امید پر یا کسی نفع کی خاطر نہ کر رہے ہوں بلکہ یہ ان کا عقیدہ اور اصول اور ان کا حال اور ذوق ہو، خدمت قربانی اور حق گوئی دنیا کی بجائے خود ایک بہت بڑی طاقت ہے اور بڑے بڑے انقلاب و تغیرات قوموں کی تعمیر و تشکیل اور حالات کے رخ کو تبدیل کرنے میں اس کا بڑا حصہ ہے، قوموں کی زندگی میں بعض اوقات طویل جد و جہد اور حکمت و مصلحت بینی سے وہ کام نہیں ہوتا جو صحیح اور مناسب وقت پر جرأت و حق گوئی سے ہوتا ہے۔ وہ برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام دنوں میں کر دیتی ہے اس کا گزر ان راہوں میں ہوتا ہے جہاں اہل مصلحت کا تصور بھی نہیں جاتا ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اس کے نزدیک سب سے مقدم عقیدہ ضمیر اور نصب العین ہے وہ کوئی ایسی چیز قبول کرنے کی روادار نہیں ہوتی جو اس کو ٹھیس پہونچاتی ہو یا اس کو کمزور کرتی ہو، وہ اس کے ...... حساب پر کوئی معاملہ نہیں کر سکتی ہاں ہر معاملہ میں اس کو ضرور پیش نظر رکھتی ہے، بڑے سے بڑے نازک مواقع اور پھسلانے والی جگہوں پر بھی اس کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نظر نہیں آتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے چاروں طرف ان تینوں چیزوں کا ایک ایسا حصار قائم کر لیتی ہے جو اس کو ان تمام خطرات سے محفوظ اور تمام اندیشوں سے دور رکھتا ہے اور اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتی اگر اس کو جان کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا استقبال کرنے کے لئے تیار نظر آتی ہے اور اس میں اس کو کوئی تکلف اور تردد نہیں ہوتا قالوا لا ضیر انا الی ربنا منقلبون۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

حق گوئی اور خدمت و قربانی کی اس طاقت کو پہچانے بغیر اور اس کا مزہ چکھے بغیر ہماری زندگی میں کوئی بڑا تغیر اور انقلاب نہیں پیدا ہو سکتا، کوئی بڑی خدمت نہیں کی جا سکتی اور کوئی بڑی ترقی ظاہر نہیں ہو سکتی، نئی نسل کو ان بنیادوں پر تیار کرنے اور ان اصولوں کے مطابق تربیت دینے کی ضرورت آج جتنی ہے اتنی شاید اس سے پہلے نہیں تھی۔ ادھر گزشتہ چند سالوں نے اس حقیقت کو بالکل بے نقاب اور اس ضرورت کو بالکل آشکارا کر دیا ہے، ہماری قیادت میں بھی اور خامیوں کے ساتھ سب سے بڑی خامی خدمت و قربانی اور حق گوئی و بے باکی کا خطرناک حد تک فقدان ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کی خانہ پری کسی علم و حکمت اور کسی مصلحت و دور اندیشی سے نہیں ہو سکتی، بلکہ خدمت و قربانی کے موقع پر علم و حکمت اور حق گوئی و جرأت کے موقع پر دور اندیشی اور مصلحت سے کام لینا انتہائی مضر اور مہلک اور قومی زندگی کے لئے سم قاتل ہے اور اس بزم ہستی میں وہی معتبر اور پختہ کار ہے جو کبھی کبھی "جرأت رندانہ" اور "لغزش مستانہ" کا شکار ہو چکا ہو۔

نکل جاتی ہے سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

یہ دنیا اسی کے آگے سر جھکانے کی عادی ہے جو سر اونچا کر کے چلنے کا عادی ہو، اسی شخص کی بات توجہ سے سنتی ہے جو حق بات کہنے کا حوصلہ رکھتا ہو اسی کے لئے راستہ صاف کرتی ہے جو خود اپنا راستہ بنانے اور دشواریوں پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ اسی کے لئے جان نثار کرتی ہے جس کی ساری زندگی جاں نثاری اور سرفروشی کا نشان ہو، خدمت گزاروں اور فداکاروں کی تند و تلخ باتیں اس کو بسر و چشم قبول ہیں اور عافیت کوشوں اور مصلحت پسندوں کی خوشامدانہ ادائیں اس کی آنکھوں کے لئے ناگوار اور اس کی نظر میں ذلیل و خوار ہیں۔

یہ قدرت کا ہمیشہ سے دستور ہے اور دنیا کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے اور اس کے ہر دور میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

اس دستور و قانون کے خلاف کسی نئے راستہ سے کامیابی حاصل کرنے کی کوئی کوشش ہمارے لئے ... نتیجہ خیز ثابت نہ ہوگی۔ یہ ریت میں منہ چھپانے یا اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھنے کی ایک مفر شکل ہوگی اور اس سے خطرات میں مزید اضافہ ہوگا، قوم کا MORAL کمزور ہوگا اور دوسروں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت باقی نہ رہ جائے گی۔ اس راستہ کے علاوہ اور جتنے راستے ہیں وہ کوئی دیرپا اور لازوال نقش نہیں چھوڑ سکتے ملک و ملت پر کوئی بڑا اثر نہیں ڈال سکتے ملی سرمایہ میں کوئی اہم اور ناقابل فراموش اضافہ نہیں کر سکتے اور حالات میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتے۔

اس سنت اللہ کے مطابق اگر کوئی خدمت و قربانی اور حق گوئی و بے باکی کے جوہر اپنے اندر پیدا کرلے تو زمانہ اس کے لئے آج بھی آنکھیں بچھانے کے لئے تیار ہے ان اوصاف کے ساتھ مشکلات کے پہاڑ بھی اس کے لئے مددگار ثابت ہوں گے اور ان اوصاف کے بغیر اس کو قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیاں پیش آئیں گی۔

ان اوصاف کے ساتھ ناکامی بھی فتحمندی ہے اور ان اوصاف کے بغیر فتح بھی شکست ہے ان اوصاف کے ساتھ کانٹے بھی پھول ہیں اور ان اوصاف کے بغیر پوری زندگی غیر کی محتاجی اور مجسم کاسہ گدائی ہے، وہ دیکھنے میں ضرور زندگی ہے لیکن حقیقت میں زندگی نہیں ہے ؎

زندگی ہے مگر پرائی ہے

لیکن عشق و قربانی کی راہ ان سب راہوں سے جدا اور اس کی شان ان سب سے دوبالا ہے، یہاں فتح و شکست، تکلیف و راحت، خوشی اور غم، راستہ اور منزل سب برابر ہیں اور سب رخ جاناں کی تابانیاں اور جلوہ طرازیاں ہیں۔

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہست و ہم خود منزلست

مسلم وقف بل آخر جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی۔ لوک سبھا میں اوقاف میں ترمیم کیلئے سرکاری بل منظور کر لیا گیا جسکے مطابق اوقاف کی آمدنی سے غیر مسلموں کو بھی فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگیا اسلامی شریعت میں وقف کی آمدنی وقف کرنیوالے کی تصریح کے خلاف کسی اور جگہ نہیں صرف کی جاسکتی ہے اگر حکومت نے اس قانون پر عمل درآمد کیا تو یہ مسلمانوں کے پرسنل لا و مذہبی معاملات میں صریح مداخلت ہوگی اور مسلمانوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی بدترین مثال قائم ہوگی اس سلسلہ میں مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ جو منتخب نمائندہ علماء کی تنظیم ہے، کی جانب سے ایک مفصل مضمون اخبارات میں شائع ہوگا۔

ایک گمنام اور باکمال ہستی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

میرے دو عزیز قریب تقریباً ہم عمر ہیں، ان میں سے بڑے بھائی کا نام سید حسن مثنیٰ ہے دوسرے کا نام محمد مسلم ہے۔ ہمارے خاندان میں یہ دونوں نام کچھ نئے سے معلوم ہوتے تھے۔ میں نے اپنے بچپن میں ایک مرتبہ ان کی والدہ سے (جو میری حقیقی خالہ زاد بہن تھیں) پوچھا کہ آپ نے یہ نام کیسے رکھے انھوں نے کہا امروہے میں ہمارے عزیزوں میں دو بھائی ہیں جن کا نام حسن مثنیٰ اور مسلم ہے، مجھے یہ نام بڑے پسند آئے اور میں نے اپنے بچوں کا یہی نام رکھا، یہ شاید پہلا موقع تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ امروہے میں ہماری عزیزداری ہے اور وہاں اس نام کے ہمارے ایک عزیز حسن مثنیٰ صاحب ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد جب ذرا شعور ہوا تو میں نے ان کی ذہانت اور علم و مطالعہ اور ادبی و علمی ذوق کا تذکرہ سنا، زیادہ تر اپنے استاد اور بزرگ مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے (سابق استاد اورنٹیل کالج لاہور) سے جو ان کے عزیز قریب بھی تھے اور ٹونک میں عرصہ تک ساتھ بھی رہا تھا۔ ندوۃ العلماء کے بعض قدیم طلباء اور فضلاء سے یہ بھی سنا کہ جس زمانے میں مرحوم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کر رہے تھے انھیں دنوں میں علامہ رشید رضا مرحوم ندوۃ العلماء کے اجلاس کی صدارت کے لئے ہندوستان تشریف لائے تھے ندوۃ العلماء کی طرف سے ذہین و سنجیدہ طلباء کے مختلف وفود اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی دعوت دینے اور ندوۃ العلماء اور اس کے مقاصد کے تعارف کے لئے روانہ کئے گئے۔ ایک وفد میں مرحوم بھی تھے۔ انھوں نے ضلع رائے بریلی کے ایک قصبہ میں جو تقریر کی اس سے وہاں کے مسلمانوں اور اہل ذوق پر ان کی خطابت اور ذہانت کی دھاک بیٹھ گئی اور عرصہ تک لوگوں کو وہ تقریر یاد رہی۔

مرحوم اپنے مختلف عوارض اور صحت کی کمزوری کی بنا پر عرصہ دراز سے گوشہ گیر ہو چکے تھے اور سفر ترک کر چکے تھے۔ اس لئے نہ کسی خاندانی تقریب میں وہ عرصہ تک رائے بریلی اور ٹونک تشریف لائے تھے اور نہ مجھے اپنی تعلیمی مشغولیتوں کی وجہ سے امروہہ جانے کا اتفاق ہوا تھا وہ چونکہ خاندانی انساب اور خاندان کی شاخوں اور قرابتوں سے بڑے واقف تھے اور اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتے تھے اور انھوں نے میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مولانا حکیم سید عبدالحی) کے دور نظامت ندوہ میں تعلیم پائی تھی اور زمانہ قیام میں خاندانی تعلق کی بنا پر ان کے پاس بھی آتے جاتے تھے اور رائے بریلی بھی جا چکے تھے اس لئے وہ ہم دونوں بھائیوں (برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم اور راقم) سے خوب واقف تھے لیکن مجھ سے خط و کتابت کا سلسلہ اور التفات اور عنایت خاص کا معاملہ اس وقت شروع ہوا جب ۱۹۳۸ء میں میری کتاب "سیرت سید احمد شہید" کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور میں نے اس کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں بھیجا انھوں نے اس کے پہونچنے پر ایک بڑا شفقت آمیز اور پرمحبت خط لکھا جس کے لفظ لفظ سے ان کی قلبی مسرت اور تعلق خاطر کا اظہار ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہوا کہ ان کو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے جن کو وہ میرے والد صاحب کے تتبع میں ہمیشہ شہید سعید لکھا کرتے تھے، والہانہ تعلق اور غیر معمولی عقیدت ہے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت و محبت کے دینی و علمی اسباب کے علاوہ ایک سبب قوی یہ بھی تھا کہ ان کی والدہ صاحبہ مرحومہ حضرت سید شہید کے شہید و سعید بھانجے حضرت سید احمد علی (شہید پھلودہ) کی حقیقی پوتی تھیں، میں شاید بھول جاؤں حضرت سید احمد علی نے جب پھولڑہ کے میدان میں مردانہ وار شہادت پائی تو ان کے پاس قرآن مجید کے دو نسخے نکلے ایک جو بہت چھوٹے سائز کا تھا ان کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ دوسرا نہایت قیمتی اور خوشخط قلمی نسخہ تھا جس میں وہ خود تلاوت فرماتے تھے۔ یہ دونوں نسخے ان کی پوتی (حکیم صاحب کی والدہ مرحومہ) کو ترکہ اور تبرک میں ملے تھے۔ پہلے نسخہ کی تفصیل مجھے یاد نہیں رہی غالباً وہ ضائع ہوگیا۔ دوسرا نسخہ حکیم صاحب نے مجھے عنایت فرما دیا جو میرے لئے سرمایۂ افتخار و برکت ہے اور اس کی عظمت و منزلت کے ماسوا کئی عزیزوں قابل احترام یادیں اس سے وابستہ ہیں۔

غرض حکیم صاحب کو حضرت سید صاحب کی ذات سے ایسا گہرا تعلق تھا اور اس کے کچھ ایسے طبعی اور عقلی اسباب ان کی ذات میں جمع ہوگئے تھے جن کی بنا پر ان کو ہر اس چیز سے تعلق تھا جس کا تعلق و انتساب سید صاحب سے ہو۔

ان کا آبائی تعلق سادات رضویہ سے تھا جو خود وجہ افتخار ہے لیکن حضرت سید صاحب اور ان کے جد امجد شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے ان کو اپنی ننہیال سے بہت گہرا تعلق اور شغف تھا اور وہ اس خاندان کے حالات و انساب اور جزئیات و واقعات سے ایسے واقف تھے کہ اب اس دور میں ہمارے خاندان میں ان کی نظیر نظر نہیں آتی۔ انھوں نے سیرت کا لفظ لفظ غور سے پڑھا اس کی خامیوں اور سامحات پر جو مصنف کی نوعمری اور نومشقی کا نتیجہ تھی۔ مصلحانہ گرفت کی خاص طور پر نسب نامہ کے سلسلہ میں اور خاندانی تاریخ کے تذکرہ میں جو فروگذاشتیں ہوگئی تھیں ان کی نشان دہی کی اور مجھے ایک بڑا مفصل خط لکھا جس کو میں نے عرصہ تک محفوظ رکھا اور کتاب کی بعد کی اشاعتوں میں اس سے بڑی بیش قیمت مدد ملی جس کا اعتراف کتاب کے دوسرے و تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں موجود ہے۔

یہ خط و کتابت کے سلسلہ کا آغاز تھا۔ میں تصنیف و تالیف میں بدنام ہونے کے باوجود خط و کتابت میں بڑا کوتاہ قلم اور مختصر نویس واقع ہوا ہوں اس کے برعکس حکیم صاحب تصنیفی و صحافتی دنیا میں کوئی شہرت نہ رکھنے کے باوجود خط و کتابت میں بڑے شیریں قلم خوش تحریر اور انشا پرداز تھے۔ ان کے خطوط مفصل و طویل، بڑے جاندار اور بڑے مرصع ہوتے تھے۔ مبیضہ اور مسودہ یکساں ہوتا تھا۔ کہیں کاٹ چھانٹ الجھاؤ یا اکھڑاپن نہیں ہوتا تھا وہ قیمتی معلومات پر مشتمل ہوتے تھے اور اس سے مصنف کی کہنہ مشقی، علم و خیالات کی پختگی اور مذاق کی پاکیزگی کا اندازہ ہوتا تھا افسوس ہے کہ میں اپنی بدانتظامی کی بنا پر ان کو محفوظ نہ رکھ سکا ورنہ وہ ایک اچھا علمی ادبی ذخیرہ ہوتا۔

اس خط و کتابت سے ہم دونوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور ایک دوسرے سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اس فرط اشتیاق میں میں نے امروہہ جانے سے پہلے ہی ایک مرتبہ خواب میں امروہہ اور حکیم صاحب کی زیارت کر لی۔ پہلی مرتبہ (سنہ مجھے یاد نہیں) رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب کی معیت میں امروہہ حاضر ہوا۔ مولانا منظور صاحب عرصہ تک امروہہ میں مدرس رہ چکے تھے۔ اور حکیم صاحب سے ذاتی طور پر واقف اور ان کی خداداد صلاحیتوں اور کمالات کے بڑے مداح تھے اور انھیں نے ایک مرتبہ ذکر

کیا تھا کہ حکیم صاحب امروہہ کی میونسپلٹی کے چیرمین بھی رہے اور بڑی قابلیت اور نیک نامی کے ساتھ انھوں نے یہ خدمت انجام دی۔ نیز یہ کہ جمعیۃ علماء کے معرکۃ الآرا اجلاس امروہہ کے اس جلسہ (جس کی صدارت مولانا معین الدین صاحب اجمیری نے کی تھی) کے خطبۂ استقبالیہ میں حکیم صاحب کے مشورے شامل تھے۔ بہرحال بارش کا موسم تھا اور آموں کا زمانہ۔ ہم لوگ امروہہ پہونچے، ایں سراپا اشتیاق، حکیم صاحب سراپا انتظار و مجسم شفقت، اس مسرت اور شفقت کا اظہار مشکل ہے جو حکیم صاحب نے اپنے اس دور افتادہ اور خورد سال عزیز کے حال پر فرمائی اس وقت ان کی والدہ صاحبہ مرحومہ حیات تھیں مجھے ابھی تک ان کا جملہ اور لہجہ کی حلاوت یاد ہے۔ جب انھوں نے میرے دادا صاحب کا نام فخرالدین بجائی کہہ کر لیا۔ بڑی شفقت فرمائی۔ غالباً دو روز قیام رہا اس وقت حکیم صاحب کے عزیز قریب حکیم ابوالنظار صاحب مرحوم بھی موجود تھے اور انھیں کے مردانہ میں قیام رہا تھا۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی بھی حیات تھے اور میں نے حکیم صاحب ہی کی رہبری اور معیت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس آخری یادگار کی زیارت کی۔ حکیم صاحب نے اپنا کتب خانہ بھی دکھلایا اپنی طالب علمی کی یادگاریں بھی دکھلائیں اور سارا وقت بڑی مسرت اور دلچسپی، علمی مذاکرہ اور استفادہ میں گزرا۔

اس کے بعد سے میرا معمول ہوگیا کہ جب میری کوئی چیز شائع ہوتی میں حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجتا۔ ان کی خواہش ہوتی اور مجھے فائدہ۔ ان کا تبصرہ ان کے تاثرات بڑے بچے تلے مبصرانہ اور ماہرانہ ہوتے اردو عربی دونوں میں یکساں بڑا پاکیزہ اور بلند مذاق رکھتے تھے اور دونوں کے محاسن اور کمزوریوں پر گہری نگاہ تھی۔ عربی انشاء زبان اور طرز بیان کا ایسا فہیم اور سلیم ذوق رکھنے والا اور اس سے لطف لینے والا طبقہ علماء میں بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ایک ایسی شخصیت کے متعلق جو اپنے مختلف عوارض اور تقدیری امور کی بنا پر کوئی شہرت حاصل نہ کرسکا اور جس نے کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی۔ شاید میرے یہ الفاظ مبالغہ پر محمول کئے جائیں لیکن میں نے اس میں کسی مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ یہ ایک خداداد چیز ہے جس میں کسی محنت اور علمی کمال کو دخل نہیں۔

اس کے بعد ایک دور ایسا آیا کہ حکیم صاحب بعض خانگی حوادث کی بنا پر سخت علیل ہوگئے وہ فطرتاً نہایت ذکی الحس واقع ہوئے تھے اور یہ اکثر ذہین و حساس طبیعت رکھنے والوں کی طبعی کمزوری اور خاصہ ہے ذکاوت حس اور حزن و ملال کی کیفیت نے حکیم صاحب کے اندر دماغی عدم توازن اور ایک وارفتگی کی کیفیت پیدا کردی، انھوں نے سب سے ملنا جلنا ترک کردیا اور خانہ نشین ہوگئے۔ کچھ عرصہ ایسا بھی گزرا کہ ان پر ایک ایسی کیفیت رہی جس کو جنون سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ میرے کرم فاضل دوست مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے مجھے اس کیفیت سے مطلع کیا اور مجھے بتایا کہ اس وقت خط و کتابت کا موقع نہیں ہے اور کوئی ایسی چیز جو بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلائے اور جس سے ان کا قلب متاثر ہو مناسب نہیں۔ میں نے بھی سکوت اختیار کیا اور عرصہ تک خط و کتابت کا سلسلہ موقوف رہا خدا خیر دے، پھر مولانا نسیم صاحب ہی نے اطلاع دی کہ اب وہ کیفیت زائل ہوگئی ہے اور حالات میں اعتدال پیدا ہوگیا ہے، اب آپ کا لکھنا مفید ہے۔ میں نے خط و کتابت کا بھی آغاز کیا اور آنا جانا بھی شروع کیا مزاج میں اگرچہ اعتدال پیدا ہوگیا تھا لیکن اب بھی وہ گوشہ گیر اور خانہ نشین تھے بالکل کہیں آتے جاتے نہیں تھے۔ میں جب اپنی آمد کی خبر دیتا تو بے حد مسرت ہوتی اور بلا مبالغہ عید کی طرح اس کا انتظار کرتے پہلے سے اس کا اہتمام ہوتا، میں جب پہونچتا تو یہ پابندی عائد فرمادیتے کہ نہ کہیں کوئی تقریر ہوگی اور نہ کہیں گھر سے باہر کا کوئی پروگرام، اگر قصبہ کے کسی مدرسہ یا انجمن کے لوگ یا متعارف احباب کوئی پروگرام رکھنا چاہتے اور حکیم صاحب سے اس کی اجازت لیتے تو سختی سے انکار فرمادیتے۔ اسٹیشن پر حکیم صاحب کا کوئی نمائندہ لینے کے لئے موجود ہوتا۔ اکثر مولانا نسیم احمد صاحب عزت افزائی فرماتے۔ تاکید تھی کہ جلد سے جلد اور اسٹیشن سے سیدھے مکان لایا جائے۔ میں آتا تو حکم ہوتا کہ نمازیں بھی گھر ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں (مکان کے بالکل قریب کوئی مسجد نہ تھی) میری چارپائی اپنی چارپائی کے قریب بچھواتے۔ کتابوں پر تبصرہ ہوتا۔ میرے سفروں کی روداد سنتے۔ عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں کے متعلق میری رائے معلوم کرتے اور میرے تاثرات پوچھتے۔ خاندان کے اکابر و شیوخ کے متعلق اپنی معلومات سے مستفید فرماتے فرط محبت و تعلق میں عجیب عجیب فرمائشیں کرتے تھے کبھی مجھے قرآن مجید کا کوئی رکوع سنانے کا حکم دیتے۔ (عجیب اس لئے کہ میں قرأت و تجوید سے ناواقف اور خوش الحانی سے محروم ہوں) کبھی میری کسی عربی کتاب کا کوئی حصہ مجھ سے پڑھوا کر سنتے اور تاکید فرماتے کہ بالکل عربی لہجہ میں سنایا جائے۔ جس میں ان کی بزرگی اور انتہا فتادطبع کی بنا پر کامیاب نہ ہوتا۔ ان حصوں کے انتخاب سے (جو مجھ سے سننا چاہتے تھے اور جن کے متعلق اپنے گہرے تاثر کا اظہار کرتے تھے) ان کی ژرف نگاہی اور نکتہ شناسی کا اندازہ ہوتا، میری عربی تصنیف ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (جس کا ترجمہ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے نام سے شائع ہوا ہے) کے ایک مقام کو جس کا عنوان ہے۔ "محمد رسول اللہ روح العالم العربی" انکو بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ کتاب کا سب سے جاندار اور طاقتور حصہ ہے اور بلا کسی تواضع اور انکسار کے میرا بھی خیال یہ ہے کہ یہ مصنف کے لئے سرمایہ سعادت و نجات ہے اس حصہ میں عربوں سے بڑی صفائی اور بے تکلفی سے کہا گیا ہے کہ ان کی ساری عزت و شرف ان کی تاریخ وان کا کارنامہ اسی وجود گرامی کا صدقہ اور فیض ہے اگر ان کو اس پر فخر و یقین نہیں تو محمد رسول اللہ اور ان کے ذریعے سے خدا نے ان کو جو کچھ عطا کیا ہے وہ واپس کریں اور پھر دیکھیں کہ ان کے پاس کیا باقی رہ جاتا ہے۔ میں نے ان کی خوشی کے لئے یہ فرمائشیں پوری کی۔ اس وقت ان کی حمیت ایمانی اور رگ ہاشمیت جنبش میں آگئی اور ان کے چہرے اور آنکھوں میں گہرا تاثر جھلک رہا تھا۔ اسی طرح سیرت سید احمد شہید میں جہاں مصنف نے حضرت شاہ اسمعیل شہید کی تکفیر کرنے والوں کا سخت شکوہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی تکفیر کے لئے ایسے مرد مومن کا انتخاب کیا جس نے ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کردی اور اس تلخ نوائی کی غالب کے الفاظ میں معذرت کی ہے ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

حکیم صاحب نے فرمایا میں نے اس ٹکڑے کو باربار پڑھا ہے غالباً یہ بھی فرمایا کہ میں نے جب پڑھا آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

میری ناچیز تصنیفات کے علاوہ جن سے عزیزانہ تعلق کی بنا پر تعلق خاطر تھا حکیم صاحب دوسری بلند پایہ تصنیفات پڑھنے کا ہمیشہ شوق رکھتے تھے۔ وہ اگرچہ ایک مردم خیز و علمی قصبہ میں مقیم تھے لیکن گوشہ گیر اور سب سے منقطع تھے جب ان کو کسی نئی بلند پایہ تصنیف کی اطلاع ملتی یا کسی پرانی تصنیف پڑھنے کا کسی وجہ سے خیال پیدا ہوجاتا تو مجھے خط لکھ کر میرے پاس سے یا ندوۃ العلماء کے کتب خانے سے منگواتے اور پڑھ کر واپس فرمادیتے اردو کی وہ کتابیں جو وقتاً فوقتاً انھوں نے منگوا کر پڑھیں ان سے انکے ذوق کے تنوع کا اندازہ ہوتا ہے

(بقیہ ص ۱۴ پر)

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

سید صاحب اور علوم قرآن

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء کے مشہور تعزیتی جلسہ میں یہ مقالہ پڑھا گیا تھا!

از مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

آج دارالعلوم کی عمارت میں یہ علمی اجتماع ہے ملک کے اطراف و جوانب سے اہل ذوق زحمت فرما کر تشریف لائے ہیں، نگاہیں اس پیکر خوبی کو تلاش کررہی ہیں جس کا وجود ایسی ادبی محفلوں کے لئے باعث رونق ہوتا تھا یہ ارباب علم و فضل، اسی کے فراق میں ملول و غمگین ہیں۔ ان کے قلوب اسی کی یاد میں اندوہ گیں ہیں ان کو اپنی علمی مجلسیں سونی معلوم ہوتی ہیں۔

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں اور میخانہ خالی ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کے معاملات عجیب و غریب ہیں، چشم زدن میں کیا سے کیا ہوجاتا ہے کل تک جو دوسرے رجال علم و دین کی موت پر اظہار رنج و غم کیا کرتا تھا آج تمام عالم اسلام اسی کی موت پر نوحہ خواں ہے۔ کل تک جو سلف کے علوم کا داعی۔ ان کی نشر و اشاعت کا ذمہ دار اور نئی نسلوں کو ان سے روشناس کرانے کا فرض انجام دیتا تھا آج خود اس کے علوم کی نشر و اشاعت اور ان کے بقاء و تحفظ کا سوال درپیش ہے۔

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو جن علمی کمالات سے سرفراز فرمایا تھا اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو سیرت، تاریخ، ادب، علم کلام اور قرآن مجید آن کے خاص علوم قرار پائیں گے۔ مگر ان علوم میں بھی قرآن مجید کی حیثیت اساسی تھی۔ ان کے تمام علوم بنیادی طور پر اسی محور کے اردگرد، گردش کرتے تھے۔ ان کی سیرت اور ان کے علم کلام کا ماخذ قرآن مجید ہی تھا۔ ان کا عربی علم ادب، قرآن مجید ہی کا خدمت گذار تھا۔ اشخاص، ممالک اور علوم پر تاریخ پر ان کی نظر بہت گہری تھی مگر درحقیقت ان کی زندگی کا حقیقی مونس و ہمدم قرآن مجید ہی تھا۔

خوب اچھی طرح یاد ہے کہ راقم سطور، دارالعلوم کے درجہ ہفتم میں پڑھتا تھا۔ نصاب میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ تھی، سید صاحب علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لانے والے تھے اور دو ماہ قیام کا ارادہ تھا۔ اس لئے منتظمین دارالعلوم کو دارالمصنفین سے اطلاع دیا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اسباق نہ شروع کرائے جائیں۔ میں اپنے زمانۂ قیام میں پڑھاؤں گا۔ سید صاحب تشریف لائے اور حجۃ اللہ البالغہ کے اسباق شروع ہوگئے ہماری پوری جماعت نے شہرت عام کے باعث خیال کیا کہ سید صاحب کا اصل فن تاریخ ہے۔ اس لئے سید صاحب سے درخواست کی جائے کہ اپنے زمانۂ قیام میں تاریخ اسلام کے متعلق ہم لوگوں کو استفادہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

پوری جماعت خدمت والا میں حاضر ہوئی اور حرف تمنا زبان پر لایا گیا۔ سید صاحب نے بڑے درد سے فرمایا کہ آپ لوگ تاریخ کے لئے کہتے ہیں۔ قرآن مجید پڑھنے کے لئے کیوں نہیں کہتے۔

اسی طرح میں جب دارالمصنفین میں بحیثیت رفیق کے حاضر ہوا تو پہلے ہی دن ارشاد فرمایا کہ تاریخ پر یہاں خوب کام ہوا، اب میں آپ کو خالص اسلامی علوم میں لگانا چاہتا ہوں۔ پھر قرآن مجید کے سلسلے کے مختلف کام سپرد فرمائے۔

قدرت کو سید صاحب سے خاص کام لینا تھا اس لئے فطری طور پر ان کے اندر وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی گئی تھیں جن کے ذریعہ قرآنی حقائق آشکارا ہوتے ہیں قرآن مجید سے عالمانہ طرز سے انتفاع اور استفادہ کے لئے پہلی اور ضروری شرط یہ ہے کہ صحیح ایمانی ذوق اور دینی مزاج نصیب میں آئے۔ اس رفیق کے بغیر اس راہ میں کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی اٹھانا مشکل ہے اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کو اس دولت کا حصہ وافر نصیب فرمایا تھا۔ اور اس گراں قدر سرمایہ کے اثرات انکی زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں تھے۔

آیات قرآن کی گرہ کشائی کے لئے دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ منصب نبوت سے تمام و کمال واقفیت ہو اور عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوری علمی، عملی، اخلاقی، اعتقادی اور سیاسی تاریخ سامنے ہو۔ سید صاحب کو اس مبحث سے خاص دلچسپی تھی۔

اس منزل کو طے کرنے کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر محققانہ نظر ہو، سید صاحب اس فن کے مسلم الثبوت استاد تھے۔

ان تینوں ضروری شرطوں کے ساتھ ساتھ وہ علوم جو فہم قرآن کے لئے ضروری ہیں سید صاحب ان کے بھی محقق اور متیقظ عالم تھے۔

توفیق الٰہی سے ان اسباب کی جامعیت نے سید صاحب پر آیات قرآنی کو کھول دیا تھا۔ وہ کسی آیت کی تشریح میں سلف صالحین کا دامن تو نہیں چھوڑتے تھے مگر عصر حاضر کے مذاق کے مطابق اور موجودہ عہد کی زبان میں اس کی تعبیر اس طرح فرماتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ اب سے پہلے یہ بات نہیں کہی گئی تھی۔

راقم سطور کی بڑی سعادت تھی کہ سید صاحب سے استفادہ کا وہ زمانہ اس کو ملا جبکہ تحقیق و تدقیق کے مسلسل تجربات کے بعد ان کی آراء اور خیالات میں پختگی پیدا ہوچکی تھی۔ قرآن مجید کے درس کے دوران میں اس کے آثار برابر ظاہر ہوتے تھے۔

مجھ کو سید صاحب سے قرآن مجید تین طرح سے پڑھنے کا موقع ملا۔ سب سے پہلے سید صاحب نے اپنے وطن دیسنہ (ضلع پٹنہ) میں احکام کی آیات کا درس دیا۔ ان کے پاس ایک کاپی پر قرآن مجید کے احکام کی آیتیں درج تھیں، فرمایا کرتے تھے کہ مولانا شبلی مرحوم نے ان آیات کو جمع کرایا تھا۔ یہ آیتیں مکمل نہ تھیں، سید صاحب نے فرمایا کہ ترتیب فقہی پر ہر باب کے ماتحت آیات کو جمع کیا جائے۔ جب آیات جمع ہوگئیں تو سید صاحب نے ان آیات کی تشریح فرمائی اور اس سلسلہ میں اپنے خاص افادات سے سرفراز فرمایا۔ آیات احکام کے درس کے موقع پر جصاص رازی اور ابن العربی مالکی کی احکام القرآن کے مطالعہ کی بار بار تاکید فرماتے رہے۔

ان مسائل کی تشریح کے وقت سید صاحب نے یہ خیال بھی ظاہر فرمایا کہ قرآن مجید کی فقہ پر ایک کتاب تیار کی جائے اور جس طرح سیرت کی پانچویں جلد میں عبادات پر بحث کی گئی ہے اسی طرح تمام فقہی ابواب کی تشریح و تفصیل کی جائے حاصل یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کو اصل بنا کر کلامی طرز پر فقہی مسائل کی ترتیب و تدوین ان کے مدنظر تھی۔

اس کے بعد مخدومی مولانا مسعود علی صاحب ندوی مدظلہٗ کی شفقت اور توجہ نے مجھ کو دار المصنفین پہونچایا تو سید صاحب نے پہلے قرآن مجید کے کلامی مباحث سمجھائے اور اس وقت یہ راز کھلا کہ سید صاحب پر "عقلیت" کا نہیں بلکہ "سلفیت" کا غلبہ ہے اور ان کا مسلک "تاویل" نہیں بلکہ "تفویض" ہے۔

اس سلسلہ کی ایک بات آج بھی یاد ہے، دار المصنفین کی مسجد میں حسب معمول ظہر کی نماز کے بعد درس ہو رہا تھا۔ قرآن مجید کے کلامی مسائل پر سید صاحب تقریر فرما رہے تھے۔ دو مشہور مصنفوں کی کتابیں جن میں تاویلات پر بہت زور دیا گیا تھا سامنے کھلی ہوئی تھیں، سید صاحب نے بڑی برہمی کے ساتھ ان کو بند فرما دیا اور کہا کہ یہ سب ظنون و اوہام ہیں۔

کلامی سلسلہ کے بعد بالکل ابتدا سے قرآن مجید کا درس شروع ہوا، اور چھ سال میں بیس پارہ ہوئے، اس مدت میں سید صاحب نے کیسے کیسے افادات سے نوازا؟ قرآن مجید کے کن کن علوم کی طرف متوجہ فرمایا؟ لفظی اور معنوی مشکلات کو کس کس طریقہ سے حل فرمایا افسوس کہ اس مختصر وقت میں ان تفصیلات کی گنجائش نہیں ہے مثال کے طور پر صرف تین باتیں پیش کی جاتی ہیں

(۱) قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کئے اور بار بار مطالبہ کیا کہ اگر یہ پیغمبر برحق ہیں تو معجزات کیوں نہیں دکھلاتے ہیں؟ کفار کے اس مطالبہ کے جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعتراض برتا جاتا ہے۔ اس موقع پر بعض نافہم یہ شبہ کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معجزات ہی نہ تھے .. ... ورنہ کفار کے اصرار کے بعد تاخیر یا انکار کی کیا وجہ تھی؟

سید صاحب نے پوری تفصیل کے ساتھ قرآن مجید کی تمام متعلقہ آیات کو پیش فرما کر ثابت کیا کہ معجزات کی تاخیر یا انکار کا سبب یہ تھا کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معجزات نہ تھے، بلکہ سات اسباب ہیں جو معجزہ میں تاخیر یا انکار کا باعث تھے۔ ان ساتوں اسباب کو قرآن مجید نے مدلل فرمایا۔ ان میں سے ایک سبب یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سنت اللہ یہ ہے کہ جب قوم معجزہ کا مطالبہ کرتی ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام معجزہ کو خدا کے حکم سے ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر بھی اگر قوم ایمان نہیں لاتی ہے تو اس نافرمانی کے نتیجہ میں وہ ہلاک کر دی جاتی ہے۔ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ میں تاخیر کرنا یا اس سے اعراض کرنا امت پر شفقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد غور فرمایئے کہ شبہ کا کیا موقع باقی رہ جاتا ہے!

(۲) اسی طرح قرآن مجید میں جب تک وارثوں کے حقوق کی تعین نہیں کی گئی تھی۔ مسلمان آیت وصیت پر عمل کرتے تھے۔ وہ جن کو مناسب سمجھتے تھے۔ ان کے حق میں اپنے مال و اسباب کے متعلق وصیت کر دیتے تھے۔ آیت میراث کے نازل ہونے کے بعد یہ صورت باقی نہ رہی۔ اس لئے عموماً مفسرین آیت وصیت کو آیت میراث سے منسوخ پاتے ہیں۔

سید صاحب فرماتے تھے کہ اصل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کا کوئی خاندانی نظام نہ تھا۔ باپ مسلمان ہے تو بیٹا غیر مسلم۔ شوہر مسلمان ہے تو بیوی غیر مسلمہ، وقس علیٰ ہذا۔ اس صورت میں میراث کی تعین ممکن نہ تھی۔ جب مسلمان مدینہ آئے تو مواخاۃ کی بنیاد پر میراث تقسیم ہونے لگی ... ... مگر جب جمعیت بڑھی اور خاندانی نظام قائم ہو گیا تو آیت میراث نازل ہوئی اور اس پر عمل آسان ہو گیا۔ اس لئے آیت وصیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حالات سے ہے، خدانخواستہ اگر اب بھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ کہیں مسلمانوں کا نظام عائلی باقی نہ رہے تو ان کے لئے آیت وصیت سے استفادہ اب بھی ممکن ہے ورنہ آیت میراث تو موجود ہی ہے اور یوں بھی آیت وصیت محجوب الارث کے حق میں مفید ہے اس لئے آیت وصیت کو منسوخ ماننا ضروری نہیں ہے!

(۳) سورۂ بقرہ کی ایک آیت ہے:

ان الذین امنوا والذین ہادوا، والنصاریٰ و الصابئین من آمن باللّٰہ والیوم الآخر، وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (بقرہ ۸)	بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین ان سب میں جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور نیک کام کئے تو ان کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اسی مفہوم کی ایک آیت سورۂ مائدہ میں بھی ہے!

اس آیت کے آخری ٹکڑے سے بعض نافہموں کو یہ شبہ ہوا کہ یہود، نصاریٰ اور صابئین اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے اگر خدا اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ بھی کرتے ہیں تو وہ نجات پائیں گے۔ ابھی چند سال ہوئے اس موضوع پر بڑی بحثیں ہو چکی ہیں۔

سید صاحب اس آیت کی تشریح فرماتے تھے کہ شبہ کی گنجائش ہی نہیں باقی رہتی ہے۔ فرماتے تھے کہ ایمان باللہ ایک قرآنی اصطلاح ہے۔ اس میں ایمان بالملائکہ، ایمان بالرسل سب داخل ہیں۔ مقام اجمال میں صرف ایمان باللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور مراد پورا سلسلہ ایمانیات ہوتا ہے اور مقام تفصیل میں ایمانیات کے ہر جزو کو ظاہر فرما دیا جاتا ہے۔ اس تحقیق میں سورۂ تغابن رکوع (۱) اور سورۂ نساء رکوع (۲۱) سے استدلال فرماتے تھے۔ اسی کی تائید میں حدیث وفد عبد القیس کو بھی پیش فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کا مطلب کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان باللہ نام ہے لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینے کا، الیٰ آخرہ

میری خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی جب ابن العربی اندلسی کو بھی احکام القرآن سورہ حم سجدہ میں آیت۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا۔ کے ذیل میں سید صاحب کا ہم خیال پایا۔

مختصر یہ کہ اسی قسم کے لطائف قرآنیہ سے درس قرآن کی مجلس معمور و منور رہا کرتی تھی۔

قرآن مجید کے مسائل کے سوا۔ اس کے لغات، معانی اور نحوی ترکیبوں پر بھی سید صاحب کافی توجہ فرماتے تھے، اور اس سے مفہوم کے تعین میں بڑی مدد لیتے تھے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

شروع اسلام میں دستور تھا کہ روزہ کے دنوں میں راتوں کو بھی میاں بیوی الگ رہتے تھے۔ بعض طبائع کو اس میں زحمت محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے قرآن مجید نے .... اس میں آسانی فرما دیا اور یہ قید صرف دن کے لئے باقی رہ گئی، سورۂ بقرہ میں اسی مضمون کے بیان کے موقع پر فرمایا۔

عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ	خدا جانتا تھا کہ تم اپنے نفس سے خیانت کرتے تھے۔

سید صاحب فرماتے تھے کہ خیانت کے سلسلہ میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس خیانت کا تعلق جماعت سے تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس طرز ادا سے استمرار کا مفہوم بھی پیدا ہوتا ہے تو کیا یہ سمجھا جائے کہ ایک جماعت میں یہ خیانت تسلسل جاری تھی؟

(باقی)

آدمِ یزداں صفات

فضا ابن فیضی

جس نے عالم کو سکھایا "شیوہ امن و ثبات
کشتِ اقوامِ دائم" کو جس نے بخشی تازگی
تھا فروغ دو جہاں جس کی نگاہوں کا جمال
جس نے ذرّوں کو پنہائی چاند تاروں کی کلاہ!
دھڑکنیں تھیں جس کے دل کی "موجِ کوثر کا رشد"
جس کی پلکوں کا تھا سایہ "مجمعِ اسرارِ علوم"
جس کے دامن میں شرارے آکے بن جاتے تھے پھول
دھول تھا تلوؤں کی جس کے کفر کا جھوٹا وقار
جس نے پھونکا تھا رگوں میں غزنویت کا فسوں
جس کے جذبوں کی تھی شوخی "غزوۂ بدر و حنین"
بسترِ سنجاب تھی جس کے لئے تپتی سی ریت
خود جو اپنے خون میں ڈوبا رہا مثلِ حسین"
پیچھے پیچھے جس کے چلتا تھا فرشتوں کا گروہ
دہر میں جس نے کیا رائج اخوت کا نظام
دی جہاں کو جس نے اخلاق و صداقت کی نوید
جس نے ہر کجرو "متمدن" کو دکھایا راستہ
رفعتوں نے جس کی پھینکا "سدرہ و طوبیٰ" پہ دام

جس نے سینوں میں بھرا "احساسِ تعمیرِ حیات"
ٹھوکروں سے جس کی پھوٹے "دجلۂ و نیل و فرات"
مانگتی تھی چاندنی جس سے خدا خانوں کی رات
جس کے سورج نے سحر کو دی اجالے کی زکات
جس کے سانسوں میں تھا پنہاں ارتعاشِ کائنات
جس کے لب کا تھے وظیفہ "دین و دانش کے نکات"
آگئے تھے راس جس کو زندگی کے حادثات
جس کے ابرو کی شکن تھی "فاتحِ لات و منات"
کر دیا تھا سرد جس نے "کاروبارِ سومنات"
حوصلوں کا جس کے جزم خم تھے احد کے واقعات
تھی جہادِ زندگانی کا مرقع جس کی ذات
جس کا ہر ہر سانس تھا اک "کربلا زارِ حیات"
تھا وجودِ پاک جس کا باقیاتِ صالحات
جانبِ دشمن بڑھائے دوستی کے جس نے ہات
جس نے رد فرمائے کفر و سرکشی کے داعیات
جس نے ہر تہذیب کو بخشے کریمانہ صفات
جس کی فکر نکتہ پرور تھی "کلید شش جہات"

یہ جہانِ نور و ظلمت منتظر ہے دیر سے
کب اٹھے گا خواب سے وہ "آدمِ یزداں صفات"

تصحیح

(۱) "در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق"
گزشتہ شمارہ میں ص ۱۰ پر یہ مصرع غلط چھپ گیا ہے
ناظرین کرام تصحیح فرمالیں

(۲) گذشتہ شمارہ میں سرورق پر تصویر کے سامنے "جبل احد کا ایک منظر" کے بجائے "قبۃ الصخرہ" کا منظر چھپ گیا ہے۔ براہ کرم ناظرین تصحیح فرمالیں

اجتماعی مسائل حل کئے بغیر "اسلام کی نشاۃ ثانیہ"

کا

خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ہے

(از مولانا محمد تقی امینی تحقیقات شرعیہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

لامذہبی دور اپنے تکمیلی مراحل طے کر رہا ہے اور دنیا افراط و تفریط کی راہوں میں تجربہ کرکے جلد ہی کسی نتیجہ پر پہونچنے والی ہے ایسی حالت میں اسلامی مفکرین کا فرض ہے کہ وہ مذہب کی نشاۃ ثانیہ" کی فکر کریں اور اس کے حدود و قیود متعین کرکے جذبات کی ماری دنیا کو مذہبی عدل و اعتدال کی طرف دعوت دیں۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ" کا اثر چار و ناچار زندگی کے ہر گوشہ میں ظاہر ہوا ہے۔ اس نے ایک نئی دنیا تعمیر کرکے اجتماعی زندگی کا نیا نقشہ مرتب کر دیا ہے جس میں سابقہ حالات میں نہ وہ مسائل ہیں۔ زندگی کی قدیم تنظیم ہے نہ وہ ضرورتیں ہیں۔ جب تک نئی تنظیم کے مطابق اجتماعی مسائل کو حل نہ کیا جائے گا اس وقت تک زندگی اور قانون کا صحیح رابطہ قائم ہوگا اور نہ مذہب ضروریات زندگی کا ساتھ دینے کے قابل بن سکے گا۔

اس بنا پر نشاۃ ثانیہ" کے حدود و قیود کی تعین میں بنیادی حیثیت سے دو باتیں ہمیشہ پیش نظر ہونی چاہئیں۔

(۱) اجتماعی زندگی کے جس نئے نقشے پر عمل درآمد ہے اس کے بارے میں وہی طرز عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے اجتماعی نقشہ میں اختیار فرمایا تھا۔ یعنی جو چیزیں بعینہٖ قبول کرنے کی ہیں ان کے قبول کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے اور جن میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے انھیں ترمیم و اصلاح کے بعد قبول کر لینا چاہئے۔

(۲) اجتماعی زندگی کے نئے نقشہ میں ایسے "جراثیم" بھی موجود ہیں جن کو صالح معاشرہ اور مذہب کبھی گوارا نہیں کر سکتا ہے۔ ان سے مرعوب ہونے اور ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے البتہ ان پر قابو پانے کے لئے اصول تدریج پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن حکیم کے تدریجی ۲۳ سالہ نزول اور رسول اللہ کے طرز عمل میں اس کی کافی شہادتیں موجود ہیں۔ نیز ہدایت الٰہی کے آخری ایڈیشن نے احکام کی تشریح میں لوگوں کی ضروریات ان کی نفسیات اور طبعی میلانات کی جس حد تک رعایت کی ہے اس سے بڑی حد تک مذکورہ بالا کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱) اس بات کا اہتمام کیا کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جس میں ناقابل برداشت مشقت ہو۔

(۲) لوگوں کے رغبت اور میلانات کے پیش نظر بعض ایسے احکام مقرر کئے جنھیں قومی عید کے طور پر منایا جائے اور ان میں جائز و مباح حد تک خوشی منانے اور زیب و زینت کرنے کی اجازت دی۔

(۳) طاعات کی ادائیگی میں طبعی رغبت اور میلان کو ملحوظ رکھا اور ان تمام محرکات و دواعی کی اجازت دی جو اس میں مددگار ثابت ہوں بشرطیکہ ان میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

(۴) طبعی طور پر جن چیزوں سے کراہت ہوتی ہے یا طبیعت بار محسوس کرتی ہے ان کو ناپسند کیا۔

(۵) حق پر قائم رہنے کے لئے تعلیم و تعلم امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دوامی شکل دی تاکہ طبیعت اور مزاج کو اسلامی طبیعت و مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی رہے

(۶) بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کئے تاکہ انسان اپنی ہمت و سہولت کے پیش نظر جس کو چاہے اختیار کرے۔

(۷) بعض احکام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مختلف قسم کے عمل کئے اور حالات کے پیش نظر دونوں کی گنجائش رکھی۔

(۸) تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی خامی اور پختگی کو ملحوظ رکھا۔

(۹) احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقاء پیش نظر رہا نہ ایک ہی وقت میں سارے احکام نازل کئے گئے اور نہ ساری برائیوں سے منع کیا گیا۔

بعض احکام کے نفاذ میں حالات و مصالح کی رعایت کی اور بعض میں اشخاص و مزاج کی۔

غرض تشریعی احکام میں گہری نظر ڈالنے سے اس قسم کی بہت سی باتیں مل جائیں گی۔ جو آخری ہدایت سے لوگوں کی کیفیات اور ان کے مخصوص حالات کے پیش نظر اختیار کی گئیں۔ اگر موجودہ دور میں نئے نقشے کو نظرانداز کرکے قدیم اجتماعی نقشہ کو بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی تو یہ بات نہ صرف زمانہ کی فطری رفتار سے بغاوت ہوگی بلکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

جو جماعتیں اور تحریکیں اجتماعی مسائل کی طرف توجہ کئے بغیر اسلامی جد و جہد میں مصروف ہیں یا قدیم اجتماعی نقشہ ہی میں اسلامی رنگ بھرنا ان کا مشن ہے انھیں لوتھر "MARTINLUTHER" کی پروٹسٹنٹ تحریک سے عبرت پکڑنا چاہئے کہ اس کی ابتدا کتنی شاندار اور خوش کن تھی لیکن جب عملی شکل میں متشکل ہونے کا وقت آیا تو وہ کس قدر ناکام ثابت ہوئی؟ اور لامذہبی دور کے معمولی جھونکے کو بھی نہ برداشت کر سکی؟ جیسا کہ محققین نے اس تحریک کی خامیوں کو درج ذیل انداز میں بیان کیا ہے۔

"مذہب پروٹسٹنٹ اول اول ایک بڑے اخلاقی انقلاب کا خارج میں رونما ہونا تھا۔ یعنی بعض لوگوں کی دینی اور اخلاقی فطرت نے بدعت آلود مذہب اور ناشائستہ نا قابل اصلاح رواج کے خلاف سر اٹھایا اور چونکہ اس کی بنیاد انکار و تردید پر تھی اس لئے جب تک اس کا کام کلیتہً برباد کن تھا اس وقت تک اس کا بڑا زور شور رہا۔ اخلاقی سقم دور کرنا اور ایک ایسے مذہب پر جس کے اصول کی تعریف غلط کی گئی تھی یورش کرنا ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں حق کے واسطے مذہبی جنگ کا جوش اور ولولہ تھا۔ نہایت آسان تھا لیکن جب اس کی باری آئی کہ وہ خود اپنا آئین وضع کرے اور اپنے اصول قرار دے اور حقیقت کی تشریح کرنے کی کوشش کرے تب اس کی کمزوری نمایاں ہوگئی۔"

اس تحریک نے عوامی زندگی اور ان کی ضروریات سے اپنا تعلق نہیں قائم کیا تھا بلکہ متوسط اور مقتدر طبقہ کے اعتماد کو کافی سمجھا۔

لوتھر نے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج کے زمانہ میں کسانوں کی مخالفت سخت تحریروں اور تقریروں سے کی۔ اس نے امراء سے مطالبہ کیا کہ اس سورش کو سختی سے فرو کیا جائے۔ کسانوں نے لوتھر سے امداد چاہی تھی مگر اس نے بجائے مدد کرنے کے ان کی مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی تحریک کی عام مقبولیت باقی نہ رہی۔ اس زمانے "لوتھر" کو متوسط اور مقتدر طبقہ کے بھروسہ پر کام کرنا پڑا۔ (بقیہ ص ۱۴ پر)

خطبات نبوی
مسلسل

اسلامی جہاد اور اسکی حقیقت

مجاہدین اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

حبیب الرحمٰن ندوی

اسلامی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ مخالفین اسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی بھر چین سے بیٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ مکی زندگی میں آپ پر جو بے پناہ مظالم ڈھائے گئے اس کی داستان تو بہت ہی طویل اور دردناک ہے۔ مدنی زندگی بھی ایسی نہیں جسے ہم امن و سکون کی زندگی کہیں۔ مخالفین کو جب بھی موقع ہاتھ آیا دارالاسلام پر فوج کشی کرنے میں انھوں نے کوئی تامل نہیں کیا لیکن یہ باتیں آپ کو دل برداشتہ کر دیں اور آپ کے ماتھے پر شکن آجائے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ ایسے موقع پر جبکہ دشمن کی فوج بالمقابل کھڑی ہو اپنی فوج کو خداپرستی عدل و انصاف اور امن و رواداری کی تعلیم دینا دراصل آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کا ایک ایسا شاندار پہلو ہے جس کی نظیر دنیائے انسانیت میں پوری تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں میدان جنگ کے اندر اہل فوج کی کس طرح حوصلہ افزائی کی جاتی ہے؟ اور ملک و قوم کے ناموس کے لیے کس طرح دشمن کے خلاف انھیں برانگیختہ کیا جاتا ہے اگر یہ تفصیلات آپ کے ذہن میں ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطبے جو میدان جنگ میں آپ نے مجاہدین اسلام کے سامنے ارشاد فرمائے یقیناً آپ کو پھیکے نظر آئیں گے کیونکہ یہاں نہ مال و دولت کا کوئی ذکر ہے نہ عزت و شہرت اور ملک گیری کا کوئی تصور وہی خداپرستی اور امن و انسانیت کے تحفظ و بقا کی تعلیم آپ کو یہاں ملے گی جس کی قدم قدم پہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اپنے متبعین کو ہدایت فرمائی۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ خطبے اس وقت ارشاد فرمائے گئے جبکہ دنیا جنگ کے آداب اس کے حدود اور محاربین وغیر محاربین کے حقوق و فرائض کے نام سے ناآشنا تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے خطاب فرما رہے ہیں جن کے لئے عرصہ دراز سے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے علاوہ اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہیں۔ غزوۂ بدر کا موقع ہے ایک طرف کفار اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ صف آرا ہیں اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان ہیں جو انتہائی بے سروسامانی اور شکستہ حالی کے ساتھ شمع نبوت پر فدا ہونے کے لئے تیار ہیں۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔

أما بعد۔ فاني أحثكم على ما حثكم الله عز وجل وانهاكم عما نهاكم الله عنه - فانه جل وعلا عظيم شأنه يأمر الحق ويحب الصدق ويعطي على الخير أهله أعلى منازلهم عنده، به يذكرون وبه يتفاضلون - وأنكم قد أصبحتم بمنزل من منازل الحق لا يقبل فيه الله من أحد الا ما ابتغي به وجهه وان الصبر في مواطن البأس مما يفرج الله عز وجل به الهم وينجي من الغم وتدركون النجاة في الآخرة فيكم نبي الله يحذركم ويأمركم فاستحيوا اليوم أن يطلع الله تعالى على شئ من أمركم يمقتكم عليه فانه تعالى يقول لمقت الله أكبر من مقتكم أنفسكم انظروا الذي أمركم به من كتابه وأراكم من آياته وأعزكم بعد الذلة فاستمسكوا به يرض ربكم عنكم واسئلوا ربكم في هذا الموطن أمراً تستوجبوا الذي وعدكم به من رحمته ومغفرته فان وعده حق وقوله صدق وعقابه شديد وانما أنا وأنتم بالله الحي القيوم الذي اليه لجأنا وبه اعتصمنا وعليه توكلنا واليه المصير - يغفر الله لنا وللمسلمين -

(منقول از خطبات محمدی)

(ترجمہ) حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ میں تمھیں اس چیز کی طرف رغبت دلاتا ہوں جس کی رغبت خود اللہ عز و جل نے دلائی ہے اسی طرح میں تمھیں ان چیزوں سے روکتا ہوں جن سے اللہ عز و جل نے ممانعت فرمائی ہے وہ عظمت و جلال کا مالک ہے صرف حق بات کا حکم دیتا ہے اسی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نیکی کرنیوالوں کو بڑے مرتبے بھی عطا فرماتا ہے جس سے نیکی کرنے والے ہمیشہ زندہ رہتے اور مرتبہ بلند پاتے ہیں۔ حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر آج تمہارے قدم آپہونچے ہیں لیکن یاد رکھو یہاں وہی قربانی قبول کی جائے گی جو صرف خدا کی خوشنودی کے لئے پیش کی جائے۔ کامیابی انھیں لوگوں کے قدم چومتی ہے جو ناامیدی میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑتے۔ صبر ایسی چیز ہے جس سے رنج و غم دور ہو جاتا ہے اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اسی سے آخرت میں نجات بھی ملتی ہے تمہارے لئے یہ بات باعث سعادت ہے کہ تم میں خدا کا رسول بھی ہے جو تمھیں برے کاموں سے روکتا اور نیکیوں کی طرف بڑھاتا ہے دیکھو کوئی ایسی غلطی نہ کرنا جس سے خدا ناخوش ہو جائے کیونکہ اس کی ناراضگی بہت بڑے وبال کا باعث ہوگی خدا نے خود فرمایا ہے میری ناراضگی بہت بڑی ہے جس کا وبال بھی تمہاری ناراضگی کی طرح نہیں ہوگا۔ اللہ کے احکام پر نظر رکھو جو اپنی کتاب میں وہ تمھیں دے چکا ہے وہ اپنی نشانیاں تمھیں دکھلا چکا ہے۔ ذلت کے بعد اسی نے تمھیں عزت عطا فرمائی۔ پس تم احکام خدا پر عزم و صبر کے ساتھ جم جاؤ کیونکہ اس سے خدا تم سے راضی ہوگا۔ جہاد کے اس موقع پر خدا سے اس طرح مانگو کہ اس کا وعدہ تمہارے ساتھ پورا ہو اور رحمت و مغفرت تمھیں حاصل ہو۔ بیشک وعدۂ خداوندی کامل ہے اور اس کا قول سچا ہے۔ اس کے عذاب بڑے سخت ہیں ہم تم اسی کی مدد سے یہاں آباد ہو سکتے ہیں۔ ہم اسی کی طرف جھکتے اور اسی کی ذات سے مضبوطی حاصل کرتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں اور اسی کی جانب ہم سب کو جانا ہے۔ اللہ ہمیں اور کل مسلمانوں کو بخشے (آمین)

دیکھا آپ نے یہ ہے وہ خطبہ جسے میدان کارزار میں اسلامی فوج کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ کہیں اس میں شخصی اور قومی عداوت کا ذکر ہے نہ کسی دنیوی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا کوئی وعدہ گویا جہاد ایک ایسا فرض ہے جس میں جان و مال اور خواہشات نفسانی کی قربانی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ ظاہر ہے ایسے بلند اخلاقی اور دینی فریضے کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جبکہ تلوار کے سوا اور کوئی باعزت ذریعہ نجات کا باقی نہ رہے دشمن کی فوج سامنے کھڑی ہے جنگ کا بگل بج چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو خطاب فرما رہے ہیں۔

قوموا إلى جنة عرضها السموات والأرض (مسلم)

(ترجمہ) مسلمانو! آگے بڑھو اور جنت کی طرف سبقت کرو جو آسمان اور زمین کی پہنائیوں سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

باقی آئندہ

بادشاہی میں فقیری

سید الرحمٰن الاعظمی

ہندوستان کے بادشاہ سلطان جلال الدین اکبر کے انتقال ہونے کے بعد جب جہانگیر تخت شاہی پر بیٹھا تو اس وقت اس ملک کے ایک صاحب دل بزرگ شیخ محمد معصوم سرہندی کو شاہی خاندان کے ایک چھوٹے بچے کی تربیت و نگرانی کا موقع ملا، یہ چھوٹا بچہ جہانگیر کا پوتا اورنگ زیب تھا۔

اس وقت کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چھوٹا بچہ جو ایک زاہد و عابد بزرگ کی تربیت میں پلے بڑھے گا وہ کبھی ہندوستان کی قسمت کا مالک ہو سکے گا اور ہمالیہ کی چوٹیاں اس کے آگے سرنگوں ہو جائیں گی، کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ یہ بچہ ایک اتنے بڑے ملک کی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے گا اور پورے پچاس سال تک اس شان و عظمت کے ساتھ حکومت کرے گا کہ اس کی مثال نہ صرف اس ملک کی تاریخ بلکہ اکثر اسلامی ملکوں کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہو گی۔

۱۶۵۸ء کا زمانہ ہے جب اورنگ زیب ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک ہونے والا ہے دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ فقہ کی کتابوں اور نقشبندی اوراد و وظائف کی فضا میں پلنے والا یہ نوجوان عنقریب اس بات کا اعلان کرنے لگا کہ اس کو سلطنت سے کوئی دلچسپی نہیں وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے خلوت کدہ میں بیٹھنے والا ہے، وہ اپنے محل کو ایک خانقاہ میں تبدیل کرنے والا ہے اور اس طرح مغل حکومت کا چراغ اس کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے بجھ جائے گا لیکن یہ گمان کتنا غلط ثابت ہوا، اور اس زاہد خشک اور اورنگ زیب کے ہاتھوں مغل حکومت کا چراغ گل ہونے کے بجائے اور روشن ہوا۔

اورنگ زیب تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی ملک کے اندر امن و امان پھیلانے کے لئے کمر بستہ ہو کر نکل جاتا ہے اور ملک کو مفسد عناصر سے پاک کرنے کے لئے وہ دوڑتا ہے، باغیوں اور مفسدوں کا خاتمہ کرتا ہے ملک کی اصلاح کے لئے شہر در شہر گھومتا ہے۔ ہر طرح کے فساد کا انسداد اور ہر شکایت کو دفع کرتا ہے۔ ملک کے چپہ چپہ کو وسیع بنانے کے لئے سو کر پر سو کر سر کرتا ہے۔

نہ راحت کا تصور ہے نہ آرام کی فکر، اس کی زندگی کا ہر لمحہ ملک اور قوم کی خدمت کے لئے وقف ہے، آخرکار وہ دن آتا ہے کہ اس ملک کا رقبہ ہمالیہ کے دامن سے لیکر جنوبی ہند کی آخری سمندری سرحد تک وسیع ہو جاتا ہے اور پورے پچاس سال کی بے پناہ مشقت جھیلنے کے بعد اورنگ زیب اپنے اہل و عیال سے اور اپنے تخت سلطنت سے ۱۵۰۰ کیلومیٹر سے بھی زیادہ کی دوری پر ملک و قوم کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے اور تاریخ کے صفحات پر ایک نہ مٹنے والا نقش اور ملک کے چپے چپے پر اپنی عظمت کے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔

اورنگ زیب نے جن معرکوں میں حصہ لیا، وہ زندگی میں کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے ہوتے ہوئے کسی داخلی اصلاح کا موقع مل سکتا ہے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اورنگ زیب نے داخلی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور تمام بادشاہوں سے وہ اس معاملہ میں آگے بڑھ کر رہا۔ ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک رعایا اور قوم کے معاملات پر نظر رکھنا اس کا معمول تھا۔ انتشار برپا کرنے والوں اور فسادیوں کا خاتمہ کر کے ہمیشہ کے لئے اس نے فتنہ و فساد کی آواز کو خاموش کر دیا اور داخلی اصلاح کے بعد ہی فوراً اکبر کے لائے ہوئے "الحاد" کو ختم کیا اور اس کے سارے نقوش کو مٹا کر دم لیا۔ حکومتی ٹیکس اس قدر غیر منظم اور غیر متوازن تھا کہ ایک طرف ٹیکس کی گرانباری سے رعیت کے بیشتر افراد پریشان حال تھے تو دوسری طرف کچھ لوگ ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے تھے اورنگ زیب نے اس کے لئے ایک متوازن قانون بنایا اور اس کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اتنی قسم کے ٹیکس کو بالکل ختم کر دیا۔

اندرون ملک تعمیری اصلاحات کا جو کام اورنگ زیب نے کیا وہ اس ملک کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس نے نئے نئے راستے کھولے اور پرانے راستوں کی اصلاح کی سڑکوں کے کنارے دو رویہ پھلدار درختوں کی قطاریں لگوائیں اور جا بجا مسجد اور سرائے تعمیر کرائی

اسی طرح ہندوستان کے گوشے گوشے میں مسجدیں بنوائیں ان کے ائمہ اور مدرسین مقرر کئے اور بڑے بڑے شفا خانے اسپتال اور مسافر خانے تعمیر کرائے

عدلیہ کا نہایت بہتر نظام بنایا۔ ہر شخص حتیٰ کہ بادشاہ کی عدالت کے سامنے جوابدہی کا قانون اسی نے بنایا۔ بڑے بڑے مقدمات شریعت کے قانون کی روشنی میں خود فیصلہ کرتا تھا۔ ہر شہر اور گاؤں میں عدالتیں قائم کیں، اور ان کے لئے قاضی اور جج مقرر کئے شہنشاہ کے امتیازات کو کلیتہً ختم کیا اور بادشاہ کو عدالت کے تابع ہونے کا قانون بنایا تاکہ عدالت میں عوام اور بادشاہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنا حق حاصل کر سکیں۔

اورنگ زیب نہ صرف ایک بادشاہ یا حکمران تھا بلکہ وہ اس کے ساتھ ایک بڑا عالم دین، ایک صحبت یافتہ صوفی بھی تھا، فقہ حنفی میں اس کی نظر اتنی وسیع تھی کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء کو بھی یہ امتیاز نہیں حاصل تھا۔ اس کی علم دوستی اور حب علماء نے علماء دین کو اپنا شیدا کر، اور خاص دوگوں میں شامل کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ اس نے اس زمانے کے علماء کے لئے مدارس قائم کئے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں اور بالخصوص دو باتوں میں اس کو جو توفیق نصیب ہوئی اس کے پیش رو بادشاہوں میں کسی کو نہیں ہوئی۔

۱۔ کسی عالم دین کو عطیہ اور تنخواہ دینے کی صورت میں اس سے اس کے مطابق کام کا مطالبہ کرنا مثلاً تصنیف و تالیف، یا تعلیم و تربیت کی خدمت میں اس کا نظریہ یہ تھا کہ اگر علماء کے لئے وظائف یا تنخواہیں مقرر کر دی گئیں اور ان سے کام نہ لیا گیا تو وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم اور نشیط نہیں باقی رہ سکیں گے اس سے دو خرابیاں لازم آتیں، ایک مال کا ناحق لینا دوسرے کتمان علم۔

۲۔ اورنگ زیب ہی سب سے پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے شرعی احکام کو ایک کتاب میں مدون کرنے کا کام کیا ہے تاکہ وہ بعد میں اسلامی قانون کی کتاب بنائی جا سکے چنانچہ اسی کے حکم سے اور اس کی نگرانی میں فتاوی عالمگیری کی تدوین ہوئی۔ یہ وہی کتاب ہے جو آج بھی دنیا کے تمام علمی طبقوں میں معروف ہے اور جو علماء و فقہا کا ایک بڑا مرجع ہے

ایک طرف حکمرانی کا یہ زبردست کام اور اس میں منفرد اور بے مثال دوسری طرف تصنیف و تالیف درس و مطالعہ کا اہتمام اور فرائض و واجبات کے علاوہ نوافل پر پابندی اذکار و اوراد اور دیگر معمولات کی انجام دہی میں پوری تندہی یہ اس بادشاہ کی خصوصیات تھیں

(بقیہ ص ۱۱ پر)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ

محمد یونس ننگرامی ندوی

(۱)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر وقت ڈوبے رہتے تھے۔

مدینہ سے باہر اس خوف سے نہ جاتے تھے کہ کہیں موت نہ آجائے اور وہ مدینہ سے دور رہیں۔

مدینہ کی گلیوں میں چلتے تو قدم سنبھال کر رکھتے کہ کہیں حضور کا قدم مبارک نہ پڑا ہو۔

اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ ابو سعید حلیہ میں مثنیٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ارشاد فرمایا کہ میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار سے مشرف نہ ہوا ہوں۔

امام مالک کے بارے میں یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ امام مالک حدیث میں مسلمانوں کے امیر المومنین ہیں۔ اسی حدیث نبوی سے شیفتگی کا یہ اثر ہوا کہ ان کی کتاب مؤطا کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ روئے زمین پر قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب مؤطا امام مالک ہے۔

(تنویر الحوالک فی شرح المؤطا امام مالک)

(ج ۱ ص ۳، ۷)

(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کے ہمراہ کہیں تشریف لئے جا رہے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ راستے میں ایک مری ہوئی بکری پڑی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس مردہ بکری کو ایک درہم میں کون خریدے گا۔

شمع نبوت کے پروانوں نے جواب دیا۔ اے رسول اللہ اس کو تو کوئی مفت لینا بھی پسند نہ کرے گا۔

اس جواب پر آپ کچھ دیر خاموش رہے پھر ارشاد فرمایا۔ خدا کی قسم دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک اس مری ہوئی بکری سے بھی کم ہے۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم شریف)

(۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہیں تشریف لئے جا رہے ہیں راستہ میں صحابہ ہی کی ایک جماعت ملتی ہے جس کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری رکھی ہے۔

یہ حضرات ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ کو بھی مدعو کرتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوہریرہؓ کھانے کو دیکھ کر سر جھکا لیتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ کا زمانہ یاد آجاتا ہے اور آپ کے کھانے بھی سامنے آجاتے ہیں، دل بے چین ہو جاتا ہے گلوگیر آواز میں صحابہ کو جواب دیتے ہیں نہیں بھائی میں نہیں کھا سکتا ہوں۔ ہمارے رسول اللہ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن خدا کی قسم جو کی روٹی بھی اتنی نہ تھی کہ آپ آسودہ ہو جاتے۔

راوی کا کہنا ہے کہ لوگوں کا یہ سننا تھا کہ سب کے دل مغموم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم شریف)

(۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کی پیٹھ پر چٹائی کے نشانات پڑے تھے۔ جب میں نے اس پر عرض کیا کہ اے رسول اللہ آپ اس چٹائی کو تبدیل کیوں نہیں کر دیتے ہیں اس پر آپ نے ارشاد فرمایا اے عمر بن خطاب دنیا ہم لوگوں کے لئے نہیں ہے

مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری مسلم شریف)

بقیہ بادشاہی میں فقیری

جو دوسروں میں مفقود تھیں۔ انھوں نے اپنے زمانہ سلطنت میں حدیث کی ایک کتاب تصنیف کی اور اس کی شرح و ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ فارسی زبان میں ایسے بلیغ خطوط لکھتے تھے جو زبان کے شاہکار شمار کئے جاتے ہیں جب حکومت کے خزانہ سے تنخواہ لینا چھوڑ دیا تو قرآن مجید کے نسخے اپنے ہاتھوں سے نہایت عمدہ خط میں لکھتے تھے اور اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے اپنا معاش پورا کرتے تھے، سلطنت سنبھالنے کے بعد ہی انھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا، وہ شاعر اور موسیقار بھی تھے لیکن بادشاہ ہونے کے بعد اس سے دلچسپی ختم کر دی اور دربار شاہی سے فنکاروں اور شعراء کو جو انعامات ملا کرتے تھے ان کو بالکل بند کر دیا۔

فرض نمازوں کو اول وقت میں باجماعت پڑھنے کے عادی تھے اور جماعت کسی حال میں فوت نہیں ہونے دیتے تھے، جمعہ کی نماز ہمیشہ اپنی جامع مسجد میں ادا کرتے اگر کسی سفر میں ہوتے تو جمعرات کو واپس آجاتے تاکہ جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کر سکیں، رمضان کے روزوں کا بڑا اہتمام کرتے، تراویح اور نوافل میں پوری رات گذار دیتے۔ عشرۂ اخیرہ میں مسجد میں اعتکاف کرتے، ہر ہفتہ میں دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ کو تین دن روزہ رکھتے۔ وضو اور طہارت پر پابندی برتتے۔ اذکار و اوراد کا پورا اہتمام کرتے۔ اور اہل حرمین کی اپنے خاص مال سے برابر امداد و اعانت کرتے۔

اور ان سب کے باوجود عزم و ہمت اور دور اندیشی میں اپنی مثال آپ تھے۔ فنون جنگ اور انتظامی صلاحیت میں بڑے ماہر تھے۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ اس بادشاہ نے یہ سب کام بیک وقت کس طرح انجام دیئے۔ رات کی تاریکیوں میں اگر وہ مناجات اور ذکر و نوافل میں مشغول ہیں تو دن کی روشنی میں لوگوں کے فیصلے صادر کرتے۔ تصنیف و تالیف کرتے ہیں۔ قرآن مجید لکھتے ہیں۔ قرآن حفظ کرتے ہیں اور اتنے بڑے ملک کے انتظام کی دیکھ بھال کرتے ہیں پھر بڑے بڑے معرکوں میں بذات خود شریک ہوتے ہیں! اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے تمام اوقات منظم تھے اور ان کی زندگی نہایت مرتب اور منظم تھی ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر تھا اور اسی وقت میں وہی کام انجام پاتا۔ اس طرح وہ تھوڑے وقت میں بہت ہم زیادہ کام کر سکے۔

اورنگ زیب نے ہندوستان میں پورے پچاس سال حکومت کی وہ اپنے دور کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اسکے ہاتھ میں خزانوں کی کنجیاں تھیں لیکن اس کے باوجود اس نے زہد اور فقر کی زندگی گزاری حرام اور مشکوک مال سے ہمیشہ احتراز کیا۔ رمضان میں جو کی چند روٹیوں پر گذارا کرتے۔ قرآن مجید کی کتابت سے جو آمدنی ہوتی اس سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔

یہ ہے ہندوستان کا مایہ ناز بادشاہ اورنگ زیب اور اس کی خدمات اور اس کی زندگی کا ایک مختصر خاکہ

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

تبغوالحسن صدیقی ندوی

(۱)

سلطان ناصر الدین بن غیاث الدین پرنشی کی کیفیت طاری ہے اور اعیان مملکت مودبانہ کھڑے ہیں کہ اس کے ہونٹ ہلنا شروع ہوئے اور سننے والوں نے سنا کہ وہ اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تم کو اس لائق بنایا ہے کہ حکومت وملکت کے فرائض ادا کرسکو، اس لئے تمھارا فرض ہے کہ تم قوم کو سیدھی راہ پر لے چلو۔ خود تمھارے قدم بھی راہ حق سے منحرف نہ ہونے چاہئیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم خواہشات نفسانی اور لذات دنیوی کے بندے بن کر رہ جاؤ، اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہمیشہ شفقت ومحبت کرنا۔ جن نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں محروم نہیں کیا ہے ان سے عوام کو بھی محروم نہ کرنا۔ مظلوم پر کبھی دست ظلم نہ بڑھانا اس کی فریاد سننے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کرنا اس کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سننا۔ انصاف کرنے میں قوی وضعیف، قریب وبعید میں کسی قسم کی جانبداری نہ برتنا کہ کہیں قیامت کے دن اس کی وجہ سے تمھیں ندامت اٹھانی پڑے، دربار کے کاموں میں کبھی بھی سستی وکاہلی نہ برتنا، علماء کا ہمیشہ احترام کرنا اور ان کے اعزاز واکرام میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ جاہلوں اور شرپسندوں کی صحبت سے احتراز کرنا اگر بدرجہ مجبوری ان کے ساتھ بیٹھنا ہی پڑے تو خاموشی اختیار کرنا۔ ملک کے مقدس مقامات کا احترام کرنا۔ مساجد کے آباد رکھنے پر زور دینا، مملکت کے گوشہ گوشہ میں تعمیری کام کو وسعت دینا اور اپنی تمام کوشش وتمام سعی کو مرضیات الٰہی کے تحت صرف کرنا اور اہم معاملات وحکومت کے اہم کاموں میں مشورہ سے کام لینا (مآثر رحیمی ص ۱۶۳)

ان الفاظ کے اختتام کے ساتھ ہی سلطان اپنے معبود حقیقی سے جاملے۔

(۲)

حضرت ابوموسیٰ اشعری پر جب سکرات کی کیفیت طاری ہوئی تو انھوں نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور حکم دیا کہ میرے لئے ایک وسیع وعمیق قبر کھودوا لڑکے حکم بجالائے اور قبر تیار ہوگئی تو آکر اطلاع دی۔ اس وقت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ

"قبر دو منزلوں میں سے ایک منزل ہے، یا تو وہ میرے لئے اتنی وسیع کردی جائے گی کہ تمہارے نظر تک کشادہ ہوگی اور جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا جس کی خوشبو سے معطر ہوا برابر آتی رہے گی اور جس کے ذریعہ میں جنت میں اپنے ٹھکانے اور اپنی ملنے والی نعمتوں کا نظارہ کروں گا اور روز حشر تک ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہوں گا اور اگر کہیں اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر میرے اوپر قبر اتنی تنگ کردی جائے گی کہ میری پسلیاں ایک دوسرے سے مل جائیں گی اور پھر دوزخ کا ایک دروازہ میرے لئے کھول دیا جائے گا جس سے میں اپنے آئندہ ٹھکانے، زنجیروں اور بیڑیوں اور اپنے ہم نشینوں کو بخوبی دیکھ سکوں گا اور مسلسل جہنم کے گرم ہوا کے جھونکے میرے چہرے کو جھلسا دیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اور میں اپنے اس ٹھکانے پر پہنچ جاؤں جہاں کبھی راحت نہ ہوگی"

(صفۃ الصفوۃ ج ۱)

یہ ہیں ان صحابی کے الفاظ جو یقیناً جنت کے مستحق تھے۔ مگر خشیت الٰہی اور تواضع نے اس آخری وقت میں ان کے منہ سے یہ الفاظ کہلوائے ان کے کردار وسیرت کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے آپ کو تولتے رہنا چاہئے۔ اور اعمال وافعال پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے سلامتیٔ ایمان کی دعا مانگنی چاہئے۔

(۳)

عبدالواحد بن زیدان، ابومحمد فارسی کے تقویٰ کا حال لکھتے ہیں کہ انھوں نے ۷۰ سال کی عمر پائی لیکن اس پوری عمر میں وہ ہمیشہ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہے۔ دنیاوی چیزوں سے اپنا واسطہ کبھی بھی نہیں رکھا اس سے ہمیشہ الگ رہے ان سے بڑھ کر زاہد وعابد میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن ان ہی متقی اور پرہیزگار شخص نے آخری وقت میں جو الفاظ کہے وہ سننے کے قابل ہیں اور ان کے پڑھنے سے آنکھیں نم ہوجاتی ہیں۔

"مجھے اتنا لمبا سفر درپیش ہے جتنا میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا، مجھے اتنا لمبا اور طویل راستہ طے کرنا ہے جو یقیناً میرے تصور سے ماورا ہے مجھے اپنے اس آقا کی زیارت کی تمنا ہے جسے میں نے اب تک نہیں دیکھا ہے مجھے ایسے خطرات سے گزرنا ہے جو یقیناً مہیب وڈراؤنے ہیں اور جن سے ابھی تک مجھے سابقہ نہیں پڑا ہے، مجھے عنقریب مٹی کی تہہ کے نیچے دبا دیا جائے گا جس میں میں قیامت کے دن تک دبا پڑا رہوں گا اور پھر قیامت کے دن اپنے رب کے دربار میں میری حاضری اس حالت میں ہوگی کہ مجھے اس بات کا خوف ہوگا کہ کہیں قادر مطلق مجھ سے میری اس طویل عمر کا محاسبہ نہ کرے اور اس وقت میں سوائے اپنے گناہوں کے اعتراف کے اور کچھ نہ کرسکوں اور یہ عرض کروں کہ اے پروردگار تیرا ایک عاصی بندہ تیرے دربار میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اب جو تیری مرضی ہو وہ کر، چاہے معاف کردے چاہے سزا دے

پھر خود ہی فرمانے لگے کہ اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہو تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہو۔

بقیہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ

رفتار زمانہ کے مطابق اس تحریک نے تعلیم کا بندوبست کیا تھا اور نہ اجتماعی مسائل حل کرنے کیطرف توجہ کی تھی

"مذہب پروٹسٹنٹ" گو تجدید علم سے پیدا ہوا تھا لیکن ان مطالبات کی پیاس نہ بجھا سکا۔ اس نے علماء تیار کئے لیکن عوام کیواسطے کچھ نہیں کیا تھا[1]

غرض یورپ کی نشاۃ ثانیہ "نے ایک نئی دنیا آباد کی تھی جسکے نئے خیال ونئے افکار نئے جذبات ونئے احساسات تھے اس کی رہبری کے لئے جس قسم کے زندہ وجامع مذہب کی ضرورت تھی مختلف وجوہ کی بنا پر نئی دنیا کو وہ مذہب نہ میسر آسکا تھا۔ عیسائیت کو تجربات کے کافی مواقع مل چکے ہیں اور وہ ناکام رہی ہے۔ اب دنیا کی نظریں اسلام پر لگی ہوئی ہیں اگر اسلامی جماعتیں اور تحریکیں بھی اسی انداز سے کام کرتی رہیں جس کا تجربہ عیسائیت کے دور میں ہوچکا ہے۔ تو دنیا عیسائیت کیطرح اسلام سے بھی مایوس ہوجائے گی اور پھر آتش فشاں پہاڑ پر بیٹھے ہوئے انسان کا جو حشر ہوگا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔

[1] سرونج فرانس وغیرہ

تاریخ کے دریچے سے!

طارق ابن زیاد فاتح اسپین

محمد منصور خاں بھوپالی متعلم دارالعلوم

گلشن عالم میں قدرت کی گلکاریاں اپنے اندر عجیب دلکشی رکھتی ہیں کبھی سرسبز وشاداب مقامات وحشت ناک صحرا بن جاتے ہیں اور کبھی ویرانے رشک جنت نظر آتے ہیں۔

سرزمین اسپین کا ذرہ ذرہ شاہد ہے کہ ۷۱۱ء میں وہاں جہالت اور بے علمی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تہذیب وتمدن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ ۷۰۹ء میں اسپین کے باشندے صرف نام کے انسان تھے۔ بے حیائی عام تھی خوف وہراس اور بدامنی کا یہ عالم تھا کہ جب آفتاب غروب ہوجاتا تو کوئی شخص شہر سے باہر جانے کی ہمت نہ کرتا۔ کوئی ذلت ایسی نہیں تھی جو عورت کو نہ برداشت کرنا پڑی ہو شاہراہ عام پر بے حیائیوں کے مظاہرے ہوتے تھے ۷۱۱ء میں اسلامی دنیا کا فرماں روا ولید بن عبدالملک تھا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اسپین میں کشت وخون کا بازار گرم ہے، زنا کاری لوٹ مار حد سے بڑھ چلی ہے تو اس نے اپنے معتمد طارق کو حکم دیا کہ وہ اسپین جائے۔ طارق سات ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہوا، "اور وہاں اسلامی حکومت قائم کرو۔ چند روز کے اندر طارق اپنی منزل مقصود کو پہنچا اور ایک ساحلی مقام پر فروکش ہوا جسکا نام جبل طارق تھا (جو آجکل جبرالٹر کے نام سے موسوم ہے) یہاں پہنچکر طارق نے تمام کشتیوں کو نذر آتش کردیا۔ ساتھی بڑے حیران وپریشان کہ کہیں طارق کا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟

طارق نے تمام ساتھیوں کو جمع کیا اور ایک بڑا معرکۃ الآراء خطبہ دیا جسکا شمار خطباء عرب کے مشہور تاریخی خطبوں میں ہے، اس نے کہا۔

"اے فرزندان توحید! وہ کشتیاں جن پر ہم نے سمندر کو عبور کیا اب جلا دی گئیں، اور اب ہم اپنے وطن محبوب سے کوسوں دور ہیں پیچھے سمندر ہے اور آگے دشمن ہے، تم جانتے ہو کہ خدا کے علاوہ کوئی ہمارا مددگار نہیں ہے اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہم یہاں قبضہ کرنے کے لئے آئے ہیں میدان جنگ سے فرار ہوکر جانے کے لئے نہیں اور اب ہم جا بھی نہیں سکتے کیونکہ واپس جانے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں، اب دو باتیں ہیں یا تو غازی بنو یا شہید ہوجاؤ، میرے عزیز دوستو! موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں جو وقت معین ہے وہ پیغام قضا لیکر آئے گا ہم نہ چاہیں تب بھی ہماری شمع حیات بجھ جائے گی پھر کیوں نہ ہم خدائے قدوس اور اس کے رسول کی عظمت کے لئے اپنی جانیں قربان کریں، کیا تم جانتے ہو کہ ایک سرفروش مجاہد کے لئے مرنا کیا چیز ہے! میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ زندگی ایک حجاب ہے جب یہ پردہ دور ہوجاتا ہے تو ایک خدا پرست اپنے خدا سے جا ملتا ہے اور تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور یہاں کا عیش وآرام عارضی ہے۔ پھر آؤ اس ظلمت کدہ کو چھوڑ کر راحت کدہ کو آباد کریں۔ میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ عزم صادق کے ساتھ اٹھو اور اپنی تلواروں کے کرشمے دکھاؤ کیا اچھی بات ہے کہ ہم عزم صادق کے ساتھ میدان جنگ کی خونآشام فضاؤں میں اپنی جانیں قربان کریں مگر یاد رکھو کہ بے قصور بچوں اور بے گناہ عورتوں اور ضعیف آدمیوں پر بھول کر بھی ہاتھ نہ اٹھانا ورنہ تمھارے اس فعل مکروہ پر تمھارا اپروردگار تم سے ناراض ہوجائے گا۔"

اس پرجوش خطبہ کے بعد ہر شخص کے دل میں ولولہ پیدا ہوا اور راہ حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوگیا ادھر شاہ اسپین کو خبر ہوئی تو ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے بڑھا۔ ۱۹ فروری ۷۱۱ء کو "وادی سلمی" میں جنگ ہوئی۔ فرزندان توحید کے دلوں میں اسلامی خون موجزن تھا انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مجاہدین اسلام بڑی بے جگری کے ساتھ اسپینیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے، خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ دشمنوں کے حوصلے پست ہوگئے۔ پچاس ہزار اسپینی قتل کئے گئے اور تیس ہزار قید کئے گئے اور بیس ہزار نے بھاگ کر جان بچائی

مسلمان فتح وکامرانی کا جھنڈا لہراتے ہوئے واپس ہوئے۔ سارے یورپ میں مسلمانوں کی بے جگری کا شہرہ پہنچ گیا جابجا سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ان خبروں سے اہل یورپ کے حواس باختہ ہوگئے جس کی وجہ سے ہر لڑائی میں مسلمان ہی غالب رہے۔

ان خوں ریز لڑائیوں سے مسلمانوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور وہ آسانی کے ساتھ قرطبہ غرناطہ قادس اور طلیطلہ پر قابض ہوگئے۔ شاہ اسپین مارا گیا اور مسلمان اسپین کے تاج وتخت کے مالک ہوگئے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی صاحب عقل ونظر انکار نہیں کرسکتا کہ سن ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک (تقریباً) ۸ سو سال اسپین میں مسلمانوں نے حکمرانی کی ہے اور اسی سے تمام یورپ میں علم کی روشنی پھیلائی ہے۔ یہیں کی اسلامی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کرکے اہل یورپ نے ہر طرح کی ترقیاں حاصل کی ہیں اور اسی جگہ سے تہذیب وتمدن کے سرچشمے پھوٹے ہیں اس حقیقت کا اظہار سب انصاف پسند یورپین مورخین کئے بغیر نہ رہ سکا "اگر اسلام اسپین میں داخل نہ ہوتا اور مسلمان وہاں حکمرانی نہ کرتے تو یورپ کو علمی کمال اور تمدنی عروج حاصل نہ ہوتا۔"

آخر میں اسپین کی شاندار حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں سے اس لئے نکل گئی کہ وہاں آتش وفساد کے شعلے بھڑک اٹھے تھے باہمی اختلافات اقتدار کی خواہشات اور محلات کی ریشہ دوانیاں اہل اسپین کو لے ڈوبیں اس سے اہل یورپ نے فائدہ اٹھا کر اسپین پر حملہ کردیا اور وہ اسپین پر آسانی سے قابض ہوگئے۔ اور احسان فراموش اور محسن کش یورپ نے اپنے محسن کو بہت جلد ہی بھلا دیا۔ اسلام اسپین سے اس طرح ختم کردیا گیا کہ پھر آج تک وہاں پنپ نہ سکا۔

چمن میں چار تنکے باغباں تھے غم کدہ میرا
تجھے اب رو رہا ہے آشیاں اجڑا ہوا میرا

فکر و نظر

از حبیب الرحمن ندوی

بصیرت افروز، فکر انگیز، علمی، تاریخی اور ادبی مضامین کا مجموعہ جس پر ملک کے متعدد اخبارات ورسائل خلافت، معارف، صدق جدید، قومی آواز، سیاست، تجلی، سیرت، البلاغ، الہدیٰ اور دعوت نے بہترین تبصرے کئے

قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ :- دارالسلام۔ اوری۔ اندارا۔ اعظم گڈھ

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

مزار پر

۱۲ ارمضان ۱۳۸۲ھ کی شب کو ۲ بجے

از حبیب پالن پوری

لے ہمارے دل کی دھڑکن اے ہماری آرزو
اے ید بیضائے ملت اے ہماری آبرو

اے علی کے لاڈلے اے آنکھوں کے چراغ
تیرے نور دل نے روشن کر دیا میرا دماغ

یہ جہاں لاکھوں فسانے بھول جاتا ہے مگر
داستاں تیری ہے اب تک نور دل نار جگر

تیرے ہی غم میں ہیں شاید کربلا کے دن بھی رات
بہتے بہتے رو رہی ہے آج تک جوئے فرات

اے نبی کے قرۃ العینین اے جنت کے پھول
سیکھنے آیا ہوں تجھ سے عشق حق عشق رسول

ہے جوانان حرم کا قافلہ سالار تو
ملت بیضا کا اک سرمایہ ہے تیرا لہو

دے رہا ہے درس مجھ کو تیرا خون لالہ گوں
ہو نہیں سکتا ہے حق باطل کے آگے سرنگوں

آہ دنیا نے نہ کی کچھ تیرے افسانے کی قدر
اک محرم کا تماشہ بن گیا یہ جوشش بدر

وہ تفکر وہ راستی وہ ہمت و جرأت کہاں
ان حسینی بازوؤں کی قوت و شدت کہاں

وہ جگر پر سوز وہ بیباک دل وہ چشم تر
اب کہاں وہ عزم محکم وہ یقین بے خطر

اب کہاں وہ آگ برساتی ہوئی تیغ و تبر
اب کہاں فولاد دل کے آتشیں قلب و جگر

اب کہاں وہ دین وہ ایمان وہ اجلال کروفر
اب کہاں وہ فقر میں بھی بادشاہوں کی نظر

اب کہاں وہ زندگی جس سے لرز جاتی تھی موت
اب کہاں وہ شیر دل جس سے سہم جاتی تھی موت

وہ بہادر موت جنکے ناز برداروں میں تھی
وہ کہ جنکی گفتگو آتش کے تاروں میں تھی

اب نہ وہ جذبات باقی ہیں نہ وہ دم اور خم
ملت بیضا کا قائم ہے ترے دم سے بھرم

اے کہ تیرے خون کے غازہ سے ملتا لالہ فام
ہے جہاد اس دور میں مرد مسلماں پر حرام

کیا سناؤں تجھکو میں دیر و حرم کی داستاں
مٹ گیا سب کچھ یہاں اک رہ گیا میں نوحہ خواں

بادۂ ملی کے وہ لبریز پیمانے نہیں
اب مسلمانوں میں وہ ساقی وہ میخانے نہیں

اب وہ ان میں قیصر و کسریٰ کے افسانے نہیں
جن سے لرزاں تھے شہنشہ بھی وہ دیوانے نہیں

کوہ و دشت و باد بھی ویرانہ بن کر رہ گئے
انکی رزم و بزم کے افسانے بن کر رہ گئے

ہاں مگر اے فاطمہ کے لال اے لخت جگر
پھر دعا کی منتظر ہے امت خیر البشر

وہ فلک پر چودھویں کا چاند یہ شعبان کی رات
اس زمین پاک میں یہ رات بھی ہے شب برات

حق اگر چاہے تو دے قطروں کو بھی دریا کا کام
کر دعا پھر سے پلٹ جائے یہ ابلیسی نظام

لائے دل کو بھی بزم عیش خوش آتی نہیں
یعنی مجھ کو شہر کی آب و ہوا بھاتی نہیں

کر دعا اللہ سے مجھ کو وہ خلوت نصیب
جس سے کھل جائے یقین و شوق کا رمز غریب

تیرا فیض عشق تیرا ذوق پامردی ہو عام
تیری روح پاک پر میری عقیدت کے سلام

دیوانہ پن!

ابوالاسرار رمزی اٹاوی ایم اے علیگ

بہارو! چلی جاؤ بیزار ہوں میں
غم نوع انساں کا بیمار ہوں میں

کہیں قتل و غارت کہیں ہے دھماکہ
نہ کلکتہ سالم نہ محفوظ ڈھاکہ

اسے آگ دے دی اسے مار ڈالا
اندھیرے میں گم ہے بقا کا اجالا

غذا چھین لی ہے زباں چھین لی ہے
غریبوں سے آہ و فغاں چھین لی ہے

مصیبت میں ہے مبتلا جان مضطر
ہے کانٹوں کی چادر تو شعلوں کا بستر

وطن کے وفادار خادم نہیں ہیں
جو اپنی خطاؤں پہ نادم نہیں ہیں

بہارو چلی جاؤ بے زار ہوں میں!
غم نوع انساں کا بیمار ہوں میں

یہ دیوانہ پن ہے فراست نہیں ہے
کھلا جرم ہے یہ سیاست نہیں ہے

بشر کی فضیلت تو سب جانتے ہیں
خدا کا خلیفہ اسے مانتے ہیں!

بشر باعث رونق انجمن ہے
بغیر اس کے جنت بھی سنسان بن ہے

یہ ملک خدا ہے کسی کا نہیں ہے
ہمارا نہیں ہے تمھارا نہیں ہے

جو رکھتا ہے سب سے محبت کا رشتہ
وہی آدمی ہے وہی ہے فرشتہ

مرا دل پریشاں مری آنکھ نم ہے
اقلیتوں کی تباہی کا غم ہے

جہاں کی اماں کا طلبگار ہوں میں
ہر اک ابن آدم کا غم خوار ہوں میں

بہارو چلی جاؤ بے زار ہوں میں
غم نوع انساں کا بیمار ہوں میں

سائنس کی دنیا

تیرتا ہوا دارالسلطنت

سید ضیاء الحسن ندوی

ایٹمی جنگ کی تباہ کاریوں سے اپنے رہنماؤں کو محفوظ رکھنے کے لئے امریکی سائنس دانوں نے ایک ایسا جہاز تیار کیا ہے جو تیرتے ہوئے دارالحکومت کا کام دے سکتا ہے اس جہاز کا نام یو۔ ایس، ایس نارتھمٹن U.S.S (U.S.S Northampton) ہے۔

یو۔ ایس۔ ایس نارتھمٹن کی نقل و حرکت پورے طور سے راز میں رکھی جاتی ہے۔ اس کا چوبیس گھنٹوں سے زیادہ کا پروگرام کبھی نہیں بنایا جاتا اور بعض اوقات اسکی اجازت بھی نہیں دی جاتی اور بالکل فوری احکام کے مطابق اس کو اقدام کرنا پڑتا ہے۔ لوگوں کو اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات صرف اتنی ہیں کہ یہ جہاز نارفاک Norfolk میں تعمیر کیا گیا تھا اور اس وقت یا تو وہیں موجود ہے یا بحر اوقیانوس میں کسی نامعلوم مقام پر ہے جہاں وہائٹ ہاؤس (White House) (امریکی صدر کی سرکاری قیام گاہ) کے ہیلی کاپٹر با سانی آجا سکتے ہیں۔

یہ جہاز مواصلات کے جدید ترین سائنسی آلات سے آراستہ ہے اور اس کی تیاری کا مقصد یہ ہے کہ ایٹمی جنگ کے دوران اگر کسی وقت واشنگٹن کی مکمل تباہی یا اسکے ناقابل رہائش ہو جانے کا خطرہ ہو تو امریکی صدر اور ان کا اسٹاف اس جہاز میں منتقل ہو جائیں اور پوری حفاظت کے ساتھ اس میں بیٹھ کر اپنی ڈیوٹی انجام دے سکیں۔

جہاز کا بیرونی ڈھانچہ تار و پود کا ایک جنگل معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ ٹرانسمیٹر اور ایک سو پچاس رسیور تقریباً تین ہزار ریڈیائی پیغامات روزانہ وصول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

انتہائی پراسرار

لیکن ان کی شکل و صورت اور صحیح نوعیت کیا ہے، یہ ایک ایسا راز ہے جسکا علم امریکی محکمہ دفاع کی چند سربرآوردہ ترین شخصیتوں کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔ اس میں اتنی رازداری برتی جاتی ہے کہ اس کا ایک کمرہ جہاں سے بیٹھ کر اسے حرکت میں لایا جاسکتا ہے Operation Control Centre ہر وقت مقفل رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جہاز کا کپتان بھی واشنگٹن کے اعلیٰ ترین حکام کی اجازت کے بغیر اس میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اور اجازت کے بعد بھی مسلم پہرہ دار اس پر مسلط رہتے ہیں۔

نارتھمٹن اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں اب تک کے دریافت شدہ تمام ایٹمی جراثیم اور کیمیاوی ہتھیار موجود ہیں۔ جنگ کی حالت میں ایک بند لفافہ کی طرح اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کھاری پانی کے ذریعہ تمام جراثیمی اثرات کو ختم کر دیا جاتا ہے، اس کا چکنا فرش اور آہنی عرشہ اس جراثیم کشی میں بہت معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس جہاز میں ایک چوبی پلیٹ فارم ہے جس پر بیک وقت چار ہیلی کاپٹر اتر سکتے ہیں۔ یہ ہیلی کاپٹر صدر اور ان کے عملہ کو بسرعت تمام وہائٹ ہاؤس سے جہاز تک پہنچا سکتے ہیں۔

اس جہاز کی سب سے دلچسپ چیز اس کا نہایت بلند مینار ہے جس پر دنیا کی سب سے بڑی بحری راڈار مشین نصب کی گئی ہے، اس کے علاوہ پیچیدہ ترین فوٹو گرافی کے لئے مختلف کیمرے نصب ہیں جن میں بیضاوی شکل کے عکس ریز شیشے لگے ہوئے ہیں۔ یہ تمام مشینیں اور آلات مینار کے بالائی حصہ پر اڑتیس فٹ تک پھیلائے جا سکتے ہیں اور ان کا وزن چھبیس ٹن ہے، فوٹو گرافی کے دوسرے آلات سے عرشہ کے نیچے چار کمرے بھرے ہوئے ہیں اسکے طریق عمل کی تفصیلات امریکی دارالحکومت کے صرف چند افراد کو معلوم ہیں۔

۱۹۶۲ء میں بالکل اتفاقی طور سے یہ انکشاف ہوا کہ ایک سکنڈ سے بھی کم وقت کے اندر دنیا بھر میں ایک پیغام بھیجکر نارتھمٹن نے بحری مواصلات میں ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔

نارتھمٹن کی بنیاد اگست ۱۹۴۴ء میں رکھی گئی تھی اور اسے پہلے محض ایک بھاری جہاز بنایا گیا۔ پھر کچھ تبدیلیوں کے بعد اسے امریکی حملہ آور بحری بیڑہ میں شامل کر لیا گیا اور اس تبدیلی اور اضافہ و ترمیم میں کروڑوں ڈالر خرچ ہوئے۔

اس کے معاون عملہ کو مواصلاتی سہولتیں فراہم کرنے اور انھیں احکام دینے کے لئے اس کی مخصوص بیٹری GUN BATTERY چلائی جاتی ہے۔ اس وقت بھی اس میں زبردست آتشیں طاقت موجود ہے۔ جہاز کا مجموعی وزن سترہ ہزار دو سو ٹن (۱۷،۲۰۰) ہے لمبائی چھ سو ستر اور چوڑائی ۱۰۰ فٹ ہے اور یہ چھبیس فٹ پانی کے اندر رہتا ہے۔

امید ہے کہ امریکی بحریہ اس سال ایک دوسرا جہاز تیار کرے گا جس کا نام یو۔ ایس۔ ایس رائٹ U.S.S Wright ہوگا۔ اور وہ ایک ہلکا طیارہ بردار جہاز ہوگا۔ اس کی تیاری میں ڈھائی کروڑ پونڈ خرچ آئے گا (ایک پونڈ تقریباً سوا تیرہ ہندوستانی روپیوں کے برابر ہوتا ہے) امریکی وزیر دفاع مسٹر میک نمارا کے کہنے کے مطابق اس قسم کے جہاز حالت جنگ میں بحر اوقیانوس کے مرکزوں پر رکھے جائیں گے۔

اس وقت بھی نارتھمٹن (NORTHAMPTON) ریاست ہائے متحدہ کے "ہنگامی دارالحکومت" کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

نامبارک ساعت

اس کے باوجود کہ اس تیرتے ہوئے امریکی دارالحکومت (FLOATING WHITE HOUSE) میں زندگی کی زیادہ سے زیادہ آسانیاں موجود ہیں۔ پھر بھی ساری دنیا کی خواہش یہ ہے کہ خدا وہ دن کبھی نہ لائے جب اس جہاز کا استعمال صدر کے لئے ناگزیر ہو جائے۔

بقیہ ایک گمنام اور باکمال ہستی

حکیم صاحب مرحوم کے لئے اگر اللہ کو منظور ہوتا اور وہ تصنیف و تالیف کے میدان میں اترتے اور تاریخ و تراجم ادب و انشا یا عربی میں کوئی علمی کام کرتے تو واقعہ یہ ہے کہ وہ بہت ممتاز مقام حاصل کر سکتے تھے اور ہندوستان کے بلند پایہ اہل قلم اور مصنفین میں ان کا شمار ہوتا لیکن وہ اپنے عوارض اور تقدیر الٰہی کی بنا پر گوشۂ عزلت کی زندگی گزار کر گمنامی اور خاموشی کے ساتھ دنیا سے چلے گئے اور بہت تھوڑے آدمیوں نے جانا کہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء کی رات کو انھوں نے امروہہ کی مردم خیز سرزمین میں کس باکمال ہستی کو سپرد خاک کیا ہے!

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے

جوابی امور کے لئے
خط و کتابت کرتے وقت اپنا
خریداری نمبر ضرور لکھئے ورنہ
جواب میں تاخیر ہوگا

دار العلوم

حالات و واقعات!

دار العلوم بعد ختم تعطیلات عید الاضحیٰ مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۶۷ء سے کھل گیا ہے اور باقاعدہ تعلیم شروع ہوگئی ہے۔

درجات ثانوی کی عمارت

پچھلے شماروں میں درجات ثانوی کی علاحدہ عمارت کی تعمیر کا ذکر کیا جا چکا ہے الحمد للہ اس کی تکمیل ہوگئی مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۶۷ء کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔ چند درجات ثانوی عمارت دار العلوم سے جدید عمارت میں منتقل ہوگئے اور وہاں تعلیم جاری ہوگئی ہے۔

دار الاقامہ میں مزید توسیع

دار العلوم میں طلبہ کی کثرت اور دار الاقامہ میں عدم گنجائش کے پیش نظر سلیمانیہ دار الاقامہ میں مزید چار کمروں کا اضافہ کیا جا رہا ہے، تعمیری سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے کام کی رفتار بہت سست ہے۔ اگر اہل خیر حضرات تھوڑی سی توجہ فرمادیں تو منتظمین دار العلوم کے لئے ایک بڑی سہولت کا باعث ہوگا اور وہ جلد سے جلد عمارت کی تکمیل کرکے طلبہ کو قیام کی سہولتیں مہیا کرسکیں گے۔

دفتر البعث

دفتر البعث الاسلامی جگہ کی قلت کی بنا پر عارضی طور پر عمارت دار العلوم کی بالائی منزل پر قائم تھا اب ثانوی درجات کے عمارت سے منتقل ہو جانے کی وجہ سے گنجائش نکل آئی ہے اور دفتر البعث الاسلامی عمارت دار العلوم کے زیریں حصہ میں منتقلی کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ جہاں جگہ کی گنجائش کی وجہ سے سہولت رہے گی اور مکتبہ البعث کی ترتیب بھی مناسب طریقہ پر ہو سکے گی۔

سوم کسی گوڈ ریاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس قبرستان میں کیسے کیسے شکسپیر اور ملٹن دفن ہیں جن کے کمالات کا اظہار نہیں ہو سکا اور وہ گمنامی میں زندگی گزار کر گمنام انسانوں کی طرح اسیر خاک ہوگئے۔ (بقیہ ص ۱۵ پر)

افتخار حسین قدوائی مفسر دار العلوم

بقیہ: چند روز قیام کریں لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، دار العلوم کی مطبوعات اور وہاں کے عربی رسائل البعث الاسلامی اور "الرائد" کا بڑے شغف سے مطالعہ کرتے اور بڑے اصرار سے ان کا چندہ دیتے۔

اپنے اصلاح حال اور حسن خاتمہ کی بڑی فکر تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ میری وساطت سے غائبانہ مرشد ناحضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلق قائم کرلیا تھا اور حضرت نے داخل سلسلہ فرما لیا۔ اگر سفر سے وہ ایسے معذور نہ ہوتے تو ضرور رائے پور جاکر حضرت کی خدمت میں کچھ روز قیام کرتے۔

میں اگرچہ متعدد بار حاضر ہوا لیکن ان کا شوق ملاقات اور ان کا جذبۂ طلبی میری حاضری پر غالب رہا اور میں تقدیر شوق حاضری نہ دے سکا نہ ان کی خدمت میں قیام کرسکا ان کو برابر میری کم حاضری کی شکایت رہی اور یہ داغ تو دل پر عمر بھر رہے گا کہ انتقال سے چند دن پہلے مجھے یاد فرمایا اور لکھا۔ میں بہت بیمار ہوں ایک مرتبہ آکر مجھے دیکھ جاؤ اور میری سن جاؤ۔ کوتاہ بین نگاہ نے وقت کی کوتاہی اور حادثہ کے قرب کا اندازہ نہیں کیا اور اپنی وقتی مشغولیتوں اور سوانح کا زیادہ لحاظ کیا، قصد تھا کہ کچھ ضروری کاموں کو ختم کرکے خدمت میں حاضر ہوں گا کہ اچانک ایک شب میں عزیزی سید حسین بھتیجے رضوی سلمہ کا تار ملا کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ دل پر ایک بجلی گری اور اپنی پست ہمتی اور تقصیر کا شدت سے احساس ہوا۔

یک حرف کاشکیست کہ صد جا نوشتہ ایم

جن اہل علم اور اہل تصنیف کی دنیا میں شہرت ہے یا جنکا کوئی علمی کارنامہ یا علمی یادگار نگاہوں کے سامنے ہے۔ ان کے کمالات کا نہ اظہار مشکل ہے نہ احساس و اقرار لیکن جس کنز مخفی کا کوئی نشان نہیں اور جو نہ کبھی اسٹیج پر نظر آیا نہ مصنفین کی فہرست میں اس کا نام ہے اور جس سے عوام تو عوام ہندوستان کا علمی حلقہ بھی واقف نہیں اس کے متعلق کیا بتایا جائے کہ وہ کن خداداد صلاحیتوں کا مالک اور کن کمالات کا حامل تھا، کسی انگریز ادیب نے

بقیہ ایک گمنام اور پامال ہستی

امیر شکیب ارسلان کی حاضر العالم الاسلامی کی چاروں جلدوں کا انھوں نے مطالعہ کیا، امیر کی ذات اور ان کی اسلامیت سے ان کو بڑی عقیدت پیدا ہوگئی اور وہ ان کے حالات اور تحریریں پڑھنے کے ہمیشہ خواہشمند رہتے تھے۔ مصر و شام کے موجودہ مصنفین میں سے کسی سے وہ زیادہ متاثر نہیں تھے ان کے عقیدے اور خیالات میں ایسی پختگی تھی کہ جن لوگوں میں ٹھیٹ اسلامیت نہ ہوتی اور جن کے یہاں مستشرقانہ خیالات اور مغربی مصنفین کی تقلید میں کچھ بھی انحراف یا مرعوبیت پائی جاتی وہ ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ان کو والہانہ عشق تھا اور ان کا یہ تاثر اور تعلق صاف نمایاں تھا۔ انشاء اللہ یہ قلبی تعلق ان کے لئے آخرت کا ذخیرہ اور قرب و رضا کا وسیلہ ہوگا۔ اہل بیت سے ان کو اسی نسبت گرامی کی بنا پر وہ قلبی تعلق تھا جو ان کے جذبۂ ایمانی اور تعلق نسبی کی بنا پر ہر طرح قرین قیاس ہے، ان کی ایک شدید خواہش اور بڑی پرانی خواہش تھی کہ میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی سوانح لکھوں۔ اس زمانہ میں ان کا کوئی خط اس تقاضہ اور یاددہانی سے خالی نہیں جاتا تھا۔ اکثر فرماتے تھے کہ یہ تمھارے ذمہ قرض ہے اس کو تمھیں ادا کرنا ہے کاش مرحوم کی یہ خواہش جلد پایۂ تکمیل کو پہونچے۔ (خورشید رضوی)

معاصر شخصیتوں میں ان کو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا سید سلیمان ندوی سے بڑی عقیدت و محبت تھی۔ اگرچہ وہ مولانا مدنی سے بیعت نہیں تھے لیکن خادمانہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے اور ان کے اخلاص کے بڑے معتقد تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی سے انھوں نے دار العلوم میں پڑھا بھی تھا۔ سید صاحب جمعیۃ کے اجلاس امروہہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو اسی رشتہ کی بنا پر حکیم صاحب کے ہاں ہی ٹھہرے۔

اسی طرح اپنی قدیم و عزیز درسگاہ ندوۃ العلماء سے بھی ان کو بڑی دلچسپی اور محبت تھی اور اس کی موجودہ ترقیات اور تبدیلیوں کو دیکھنے کی بڑی آرزو رکھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ طالب علمی کے بعد صرف ایک مرتبہ جب چیرمتی کے دور میں ایک ضرورت سے لکھنؤ جانا ہوا تھا تو چھتر منزل والی سڑک پر گذرتے ہوئے اسے دور سے دیکھا تھا اپنے عوارض کی وجہ سے سفر ترک کر چکے تھے۔ میں نے کئی بار استدعا کی کہ وہ ایک بار لکھنؤ تشریف لائیں اور دار العلوم میں ✻

(پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا)

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی چند اردو مطبوعات

مقالات سیرت

(از:۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے، پی ایچ ڈی)

سیرت محمدی کے موضوع پر دنیا کی مختلف زبانوں میں جو لکھا گیا ہے اسکا شمار مشکل ہے، اردو اس باب میں خاص امتیاز رکھتی ہے جسمیں بڑی سے بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن ڈاکٹر آصف نے مقالات سیرت کے نام سے یہ کتاب تعلیم یافتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کیلئے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی ہے۔

کتابت و طباعت دیدہ زیب، سائز ۱۸x۲۲ صفحات ۲۸۰، قیمت مجلد مع گردپوش ۴/۵۰

طوفان سے ساحل تک

(از:۔ محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس)

ترجمہ:۔ محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی)

اس کتاب میں مغربی زندگی کے اس طوفان کی تصویر پیش کی گئی ہے جس سے گزر کر محمد اسد صاحب قلبی و روحانی سکون کے ساحل تک پہونچے اور ایمان سے بہرہ یاب ہوئے، اس میں مغربی تہذیب کی مکمل تصویر بھی ہے اور اسلامی معاشرہ کی خصوصیات پر بہت خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے مفصل مقدمہ کے ساتھ۔

کتابت، طباعت معیاری، کاغذ اعلیٰ، قیمت:۔ مجلد پانچ روپے

ہندوستانی مسلمان

(از:۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا کردار، انکے شہرآفاق علمی و تعمیری کارنامے، زندگی و تمدن پران کی گہری چھاپ، جنگ آزادی میں قیادت و رہنمائی، اور انکے موجودہ مسائل ــــ یہ کتاب درحقیقت سینکڑوں کتابوں کا خلاصہ ہے۔

مجلد سہ رنگا گردپوش قیمت ۔/۱ عربی ایڈیشن ۳/۵۰ انگریزی ۔/۶

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ